

روزانہ درس قرآن پاک



تفسیر

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ

(مُکَمَّل)



(جلد: ۱)

افادات

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی

خطیب جامع مسجد نور گوہر انولہ

تیرھواں ایڈیشن

(جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

نام کتاب	معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ فاتحہ) جلد ۱
افادات	حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ
مرتب	الحاج لعل دین۔ ایم اے (علوم اسلامیہ) شالا مارٹاؤن لاہور
تعداد طباعت	ایک ہزار (۱۰۰۰)
سرورق	سید الخطاطین حضرت شاہ نفیس الحسینی مدظلہ
کتابت	محمد امان اللہ قادری گوجرانوالہ
ناشر	ملکتہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ
قیمت	۱۰۰/- ایک سو روپے
تاریخ تیرھواں ایڈیشن	صفر المظفر ۱۴۲۹ھ بمطابق فروری ۲۰۰۸ء

ملنے کے پتے

- | | |
|--|---|
| (۱) ملکتہ دروس القرآن، محلہ فاروق گنج گوجرانوالہ | (۵) کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی |
| (۲) ملکتہ رحمانیہ اقراء سنٹر اردو بازار لاہور | (۶) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان |
| (۳) ملکتہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ لاہور | (۷) ملکتہ حلیمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۶ کراچی |
| (۴) ملکتہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور | (۸) اسلامیہ کتب خانہ اڈا گامی، ایبٹ آباد |
| (۹) ملکتہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ | (۱۰) ملکتہ العلم ۱۸ اردو بازار لاہور |

۵۷	موعظت	"	ربط مضامین
۵۸	تبیان	"	بسم اللہ سے ابتدا
"	قیم	۴۶	بسم اللہ جز قرآن یا سورۃ
"	احسن الحدیث	۴۷	نماز میں بسم اللہ
۵۹	مثنیٰ	۴۸	بسم اللہ بوقت ذبح
"	برہان	"	ہر کام میں بسم اللہ
"	الکتاب	۴۹	ب۔ اور اسم
۶۰	ذکر	۵۰	اللہ۔ رحمن اور رحیم
۶۱	درس پنجم ۵	۵۱	ٹھوکر لگنے پر بسم اللہ
"	مسائل تلاوت	۵۲	معاذہ عیبہ میں بسم اللہ
"	ربط مضامین	"	اول و آخر قرآن
"	تلاوت قرآن کا اجر	۵۳	درس چہارم ۴
۶۲	ایصال ثواب	۵۴	اسماء القرآن
۶۳	نفل عبادت کا ثواب	"	قرآن
۶۴	قرآن کا جھول جانا	"	فرقان
"	تلاوت بطور پیشہ	۵۵	تذکرہ
۶۵	ختم قرآن پر دعا	"	ہدایت
"	قرآن پاک کا سننا	"	نور
۶۶	تلاوت میں خوش الحانی	"	بصائر
۶۸	درس ششم ۶	"	روح
"	فضائل قرآن اور اصول تفسیر	۵۶	رحمت
"	ربط مضامین	"	شفاء
"	اشرف کتاب	"	

۸۴	مضامین سورۃ	۶۹	اشرف رسول
۸۶	درس ہشتم ۸	"	اشرف فرشتہ
"	سورۃ فاتحہ دیباچہ قرآن	"	اشرف سمرزمین
"	صفات ربوبیت و عبدیت	"	اشرف مہینہ
۸۷	انسانی جسم کے عناصر	۷۰	اشرف رات
۸۸	نفس شیطانی، بہیمی اور عیسیٰ	"	تفسیر القرآن بالقرآن
۸۹	ملکیت اور بہیمیّت کی کشمکش	۷۱	تفسیر باسنہ
"	خلاصہ کتب آسمانی	"	معاذ بن جبلؓ اور اجتہاد
۹۲	درس نہم ۹	۷۲	امام ابوحنیفہؒ کا طریقہ تفسیر
"	اسمائے سورۃ فاتحہ	۷۳	عبداللہ بن مسعودؓ
"	فاتحۃ الکتاب	۷۴	عبداللہ بن عباسؓ
"	سورۃ الحجہ	۷۵	تفسیر بالرائے حرام ہے
۹۲	ام القرآن	۷۶	بتاہی کے اسباب
۹۳	بیع مثانی	۷۸	درس ہفتم <
۹۴	وافیہ	"	قرآن کریم کا موضوع اور سورۃ فاتحہ
"	کافیہ	"	ربط مضامین
"	اساس	۷۹	قرآن کا موضوع
"	شفا	"	عالی اور قومی بنی
۹۵	تعلیم المسلمہ	۸۰	اسلام کی عالمی حیثیت
۹۶	شکر	۸۱	اصلاح علم و عمل
"	دعا	۸۲	کوائف قرآن
"	رقیہ	۸۳	اہل تشیع کی کذب بیانی
"		"	سورۃ فاتحہ کے کوائف اور فضائل

۱۱۳	ایک دو سکر پر رحم	۹۷	واقیہ
۱۱۵	روز جزا	"	کنز
۱۱۷	درس دوازدهم ۱۲	"	سورة الصلوة
"	آیات و ترجمہ	۱۰۰	درس دهم ۱۰
"	عبادت و استعانت میں تحقیق	"	نماز میں سورة فاتحہ کا حکم
"	ضمیمہ میں تقدم و تأخر	"	ارکان نماز
"	عبادت و استعانت میں تقدم و تأخر	"	مطلق قرأت فرض ہے
۱۱۹	مردم خیر خطہ	۱۰۱	سورة فاتحہ واجب ہے
"	عبادت میں خلوص	"	امام بخاری کا استدلال
۱۲۱	اللہ اور بندوں کا حق	۱۰۲	محض قرأۃ کا حکم
۱۲۲	الوہیت کی شرائط	۱۰۳	فاتحہ خلف الامام
۱۲۳	توحید کے چار درجات	۱۰۴	ائمہ ثلاثہ کا مسلک
۱۲۶	درس سینزدہم ۱۳	۱۰۶	مسلک امام بخاری و بیہقی
"	آیات و ترجمہ	۱۰۷	مسلک امام ابو حنیفہ
۱۲۶	ربط مضامین	"	خلاصہ بحث
"	عبادت کی تعریف	۱۰۸	درس یازدهم ۱۱
۱۲۷	عبادت کی غایت	"	آیات و ترجمہ
"	خاندان شاہ ولی اللہ	"	ربط کلام
۱۲۸	عبد اور معبود کے درمیان نسبت	"	کلمہ حمد
۱۳۰	عبادت کی عملی صورت	۱۱۰	ہر حالت میں حمد
"	انکھ	"	صفت ربوبیت
"	کان	۱۱۱	لفظ رب کا معنی
"	ہاتھ اور پاؤں	"	لفظ عالم کا مفہوم
۱۳۱		۱۱۲	صفت رحمان اور رحیم

۱۵۵	دینی انعام	۱۳۳	اعضائے باطنہ
"	روحانی انعام	"	درس چہار دہم ۱۴
۱۵۶	کسی انعام	"	آیات و ترجمہ
۱۵۷	تکبر کی قباحت	۱۳۴	عبد اور معبود
۱۵۸	انعام یافتہ گروہ	۱۳۵	منہ استعانت اور شفا
۱۶۰	درس ہفدہم ۱۷	۱۳۷	کوئی چیز مؤثرہ بالذات نہیں
"	آیت و ترجمہ	۱۳۸	اسباب سے استفادہ
"	رابطہ آیات	۱۳۹	عبادت میں استغراق
۱۶۱	نمونہ کی اہمیت	۱۴۰	عبودیت کے اثرات
۱۶۲	انبیاء کا علمی اور عملی ورثہ	۱۴۱	حقیقت معجزہ و کرامت
"	انبیاء کی معصومیت	۱۴۲	درس پانزدہم ۱۵
۱۶۳	صدیق	"	آیات و ترجمہ
۱۶۴	شدائے صالحین	۱۴۳	استعانت اللہ کی شرط ہے
۱۶۵	غلط نسبت مفید نہیں	۱۴۴	صراط مستقیم
"	صوفیائے کرام کی طرف نسبت	۱۴۵	اولین استعانت
۱۶۷	اصحاب مذاہب کی نسبت	۱۴۸	قوائے عقل و فہم
"	یہود و نصاریٰ کی نسبت	۱۴۹	رسول اور کتب
۱۶۸	خواجہ ابراہیم ادہم	۱۵۰	اسرار و معارف
"	اوزنگ زیب عالمگیر	۱۵۱	ہدایت کا بہترین طریقہ
۱۷۰	درس ہشزدہم ۱۸	۱۵۲	طلب صراط پر اعتراض
"	آیت و ترجمہ	۱۵۳	بادی اور روحانی راستے
"	رابطہ آیات	"	درس شانزدہم ۱۶
"	رابطہ آیات	"	آیت و ترجمہ
"	رابطہ آیات	"	رابطہ آیات
"	رابطہ آیات	"	نمونہ کی ضرورت

۱۷۹	آمین	۱۷۹	مغضوب علیہ اور ضال
۱۸۰	رفع یدین	۱۸۰	عدی طائی کا قبول اسلام
۱۸۱	ہاتھ باندھنا	۱۸۱	یہودی اور عیسائی
۱۸۲	فاتحہ خلف الامم	۱۸۲	منعم علیہ اور مغضوب علیہ
۱۸۳	تشہد	۱۸۳	شیطان کے داخلے کے تین راستے
۱۸۴	اذان	۱۸۴	ابلیس کا واولا
۱۸۵	حج	۱۸۵	درس نوزدہم ۱۹
۱۸۶	بنی قریظہ کا واقعہ	۱۸۶	آیت و ترجمہ
۱۸۷	عرف ض کا مخرج	۱۸۷	تین اہم مسائل
۱۸۸	کلام الہی ہونے پر اعتراض	۱۸۸	فروعی اختلافات

احکام عمرہ

زیارات مکہ المکرمہ و مدینہ المنورہ

تالیف

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

صفحات

۹۶

قیمت

۱۸/- روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ درس القرآن فاروق گنج گوہر الزوالہ

پیش لفظ

طبع اول

از، الحاج لعل دین ایم اے (علوم اسلامیہ، شالامارہ - لاہور)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ: وَالصَّلٰوَةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی
رَسُوْلِهِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی
اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِیْنَ

الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ (قلن حکیم)

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ (حدیث پاک)

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور عظم و حکمت کا بے پایاں خزانہ ہے۔ نوع انسانی جس حد تک اس کے قریب ہوگی اسی قدر اس کے لیے سعادت و فلاح کے دروازے کھلیں گے قرآن پاک کا پڑھنا، سمجھنا، اس کی تعلیمات کے مطابق اپنے فکر و عمل کی اصلاح کرنا، وقتی ضروریات کو ملحوظ رکھتے ہوئے، سلف صالحین کے طریقہ پر اس کی تشریح و تفسیر کر کے عوام الناس کو اس سے مستفید کرنا باعث سعادت اور مدارِ فوز و فلاح ہے۔

روزانہ درس قرآن پاک ہر زمانے میں علماء کرام کا معمول رہا ہے۔ چنانچہ سلف صالحین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے صوفی عبد الحمید صاحب مدظلہ العالی نے درس قرآن پاک کا آغاز تقریباً آج سے تیس سال پیشتر جامع مسجد نور، نزد گھنٹہ گھر گوجرانولہ میں کیا۔ صوفی صاحب ہفتہ میں چار یوم بعد از نماز فجر درس دیتے ہیں اس عمر میں قرآن پاک کا مکمل درس پانچ مرتبہ دیا جا چکا ہے۔ اور اب چھٹی دفعہ اس کا آغاز ہو چکا ہے ہفتہ کے باقی ایام میں حدیث پاک کا درس ہوتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں سنجاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور

نسائی شریف، ابن ماجہ، مشارق الانوار، الترغیب والترہیب کا درس مکمل ہو چکا ہے۔ اور اس وقت منہ احمد کا درس جاری ہے۔ صوفی صاحب کا درس قرآن پاک کے سلسلہ میں ہمیشہ یہ معمول رہا ہے کہ قرآن پاک کی تفسیر مفسرین و محدثین کرام کے مرتب کردہ اصول تفسیر اور سلف صاحبین کے مطابق بیان فرماتے ہیں۔ اور حتی الامکان غیر ضروری بحث سے اجتناب کرتے ہوئے اپنی توجہ آیت زیر درس اور اس سے متعلقہ موضوع پر مرکوز رکھتے ہیں۔ ان کے مفید طرز بیان اور موضوع سے والہانہ محبت و لگاؤ نے بعض سامعین کو مجبور کیا کہ آپ کے بیانات کو ٹیپ کے ذریعے محفوظ کر لیں۔ تاکہ جب چاہیں سن کر ایمان کو تازہ کر سکیں۔

اس سلسلہ میں محترم الحاج منیر احمد صاحب اور عزیزم بلال احمد ناگی صاحب کی مساعی قابل تائش ہیں جنہوں نے گذشتہ دورہ درس قرآن پاک کے آخری حصہ سورۃ حشر تا سورۃ الناس کی ریکارڈنگ مکمل کی اور موجودہ دورہ درس میں ابتداء سے ہی یہ کام باقاعدگی سے سرانجام دے رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ جب بہت سی کیٹیں جمع ہو گئیں تو ان میں محفوظ مضامین سے مستفید ہونے کے لیے انڈیکس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تاکہ جب بھی کوئی حصہ سنا مطلوب ہو متعلقہ کیسٹ آسانی سے دستیاب ہو سکے۔ چنانچہ محترم الحاج غلام حیدر صاحب نے تجویز پیش کی کہ انڈیکس کی ترتیب اس طرح ہونی چاہیے کہ اس میں کیسٹ کا نمبر، قرآن پاک کا پارہ، سورۃ، رکوع، آیات نمبر اور خلاصہ بیان ہو جائے۔ اس کام میں طبع آزمائی کے لیے انہوں نے میری خدمات سے فائدہ حاصل کرنا چاہا۔ چنانچہ احقر نے سورۃ حشر تا سورۃ تحریم کے دروس کا انڈیکس بطور نمونہ پیش کر دیا۔ جسے محترم صوفی صاحب نے بھی پسند فرمایا۔

مذکورہ کام سرانجام دینے کے دوران خود میں نے یہ محسوس کیا کہ تیار کردہ انڈیکس سے صرف وہی اصحاب مستفید ہو سکیں گے جن کے پاس کیسٹ ریکارڈ موجود ہوگا۔ اور اگر محض خلاصہ درس کی بجائے مکمل درس کو کتابی شکل میں پیش کر دیا جائے تو اس سے وہ تشنگان بھی سیراب ہو سکیں گے جو بوجہ درس میں باقاعدہ حاضری سے قاصر ہیں۔ اسی دوران محترم الحاج منیر احمد صاحب نے شب و روز کی ذاتی کاوش سے موجودہ دورہ قرآن پاک کا کچھ ابتدائی حصہ کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کر کے میرے خواب کی عملی تفسیر پیش کر دی۔ بلاشبہ ان کی یہ محنت قرآن پاک سے والہانہ محبت کا زندہ ثبوت ہے۔

ان دروس کو کتابی صورت میں پیش کرنے کی تجویز جب صوفی صاحب محترم کی خدمت میں پیش

کی گئی تو انہوں نے نہ صرف اُسے سراہا بلکہ بعض سلف صالحین کی اتباع میں اس خواہش کا اظہار بھی فرمایا کہ ابتداء میں اگر سورۃ فاتحہ اور قرآن پاک کے آخری دو پارے مکمل ہو جائیں تو زیادہ موزوں ہو گا۔ چنانچہ اس کام کی تکمیل کے لیے صوفی صاحب کی نظر انتخاب اس ناچیز پر پڑی جسے باعث سعادت تصور کرتے ہوئے قبول کر لیا گیا۔ اور احقر نے اپنی اولین فرصت میں دس درسوں پر محیط سورۃ فاتحہ کو نہ صرف کیسٹ سے صفحہ قرطاس پر منتقل کر دیا۔ بلکہ حسب ضرورت جگہ جگہ موزوں سرخیاں لگا کر مضامین قرآن پاک کو اجاگر، پرکشش اور ان کی افادیت میں اضافہ کی کوشش بھی کی ہے۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ۔

اس کار خیر میں حصہ لینے والے مذکورہ بالا کارکنان اپنی اس کاوش پر مبارک باد کے مستحق ہیں کہ قرآن پاک کا یہ حصہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ قرآن پاک کے حقائق و معارف کو جس سہل انداز میں پیش کیا گیا ہے عوام الناس کا اس سے محروم رہنا افسوسناک ہوتا۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ اس سلسلہ میں اگر انہیں کوئی واضح غلطی نظر آئے یا وہ کوئی کمی محسوس کریں تو وہ ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ اسکی اصلاح کی جاسکے۔

قرآن پاک کے آخری دو پاروں پر کام شروع ہو چکا ہے جوں جوں کام مکمل ہوتا جائے گا۔ قارئین کی خدمت میں پیش ہوتا ہے گا۔ صوفی صاحب کی اپنی آواز میں اصل کیسٹ بھی محفوظ ہیں صاحب فوق حضرات اگر ان سے مستفید ہونا چاہیں تو یہ کیسٹ اپنی اصل لاگت کے حساب سے پیش خدمت ہوں گے جو کہ ناخواندہ حضرات کے لیے خاص تحفہ ہیں۔ اس قسم کی چیز بیرون ملک اپنے اعزہ و اقارب کو بھیج کر حدیث پاک خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ کا مصداق بننا ہے قارئین کرام سے التماس ہے کہ وہ اس کار خیر میں حصہ لینے والے کارکنان کے لیے استقامت کی دعا کریں۔ واللہ الموفق۔

احقر العباد

(الحاج) عسل دین ایم اے (علوم اسلامیہ)

شالامار ٹاؤن لاہور

اے اکمل اللہ اب یہ دونوں پارے طبع ہو چکے ہیں۔ بلکہ پورے قرآن کریم کی مکمل تفسیر ۲ جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔ (دنیاض)

پیش لفظ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَالصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

سلسلہ دروس القرآن کے قارئین حضرات جانتے ہیں کہ اس سلسلہ کی ابتداء کن حالات میں ہوئی
ان دروس کو کیسٹ سے قرطاس پر منتقل کرنے کا خیال کس طرح پیدا ہوا اور پھر اللہ تعالیٰ نے خدمتِ قرآن
کے لیے مخلصین کی ایک جماعت پیدا کر کے اُسے کامیابی بھی عطا فرمائی۔

دس دروس پر مشتمل سورۃ فاتحہ کی اولین اشاعت ۱۹۸۱ء میں ہوئی۔ یہ سلسلہ دروس القرآن کی ابتداء
تھی۔ اس کے بعد طبع دوم ۱۹۸۲ء میں اور طبع سوم ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی۔ اس دوران میں حضرت صوفی صاحب
قرآن پاک کا درس مکمل کر کے واپس سورۃ فاتحہ پر آچکے تھے۔ پورے کا پورا قرآن کریم صوفی صاحب کی بیان کردہ تشریحات
وتوضیحات کے ساتھ کیسٹ پر محفوظ ہو چکا تھا اور دوبارہ ابتداء سے کیسٹ کرنے کی ضرورت نہ تھی، تاہم بعض
معتقدین کے اصرار پر سورۃ الفاتحہ کے دروس دوسری بار پھر کیسٹ پر اتار لیے گئے۔

اللہ جل شانہ، جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو پھر اس کیلئے اسباب بھی پیدا فرمادیتا ہے سورۃ
فاتحہ کے متعلق بھی بعض احباب کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ دوسری مرتبہ کے ریکارڈ شدہ کیسٹوں کو بھی کاغذ پر منتقل کر کے
دیکھا جائے کہ دونوں مرتبہ کے بیان میں کس حد تک فرق ہے۔ چنانچہ یہ سعاد پھر بندہ ناچیز کو حاصل ہوئی جب ان کیسٹوں کو
قرطاس پر منتقل کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس مرتبہ سورۃ فاتحہ دس دروس کی بجائے انیس دروس تک وسیع ہو
گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس مرتبہ اس میں مزید تفصیلات شامل ہو گئیں، لہذا کارکنانِ سلسلہ دروس القرآن
نے محسوس کیا کہ عام قارئین کو ان تفصیلات سے محروم نہیں رہنا چاہیے۔ چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ سورۃ فاتحہ کی
دس دروس پر مشتمل چوتھی طباعت کی بجائے انیس دروس پر محیط یہ جلد شائع کی جائے۔ پہلی کتابت میں عنوان
جلی قلم کے ساتھ صفحات کے درمیان میں دیے گئے تھے، مگر اب باقی جلدوں کی مناسبت سے سورۃ فاتحہ

کے عنوانات بھی حاشیے پر منتقل کر دیے گئے ہیں۔

جہاں تک سورۃ فاتحہ کے مضامین کا تعلق ہے اسے اعظم سورۃ فی القرآن وَاٰخِرُ
سُوْرَةٍ فِی الْقُرْآنِ کہا گیا ہے کیونکہ اس سورۃ میں پورے قرآن پاک کا خلاصہ آگیا ہے۔ سورۃ فاتحہ کو
دیباچہ قرآن بھی کہا گیا ہے۔ مفسرین اس کی مثال آئینے کے ساتھ دیتے ہیں جو ہر چھوٹی بڑی چیز کو ظاہر کر دیتا
ہے۔ مفسرین کرام نے اس سورۃ کے پندرہ نام بیان کیے ہیں جن میں سے ہر نام سورۃ کی کسی نہ کسی صفت
کو ظاہر کرتا ہے۔

چونکہ اس سورۃ سے قرآن پاک کی ابتداء ہوتی ہے اس لیے آداب تلاوت کے ضمن میں تعوذ
اور بِسْمِ اللّٰہ کی اہمیت کو خاص طور پر اجاگر کیا گیا۔ سورۃ الصلوٰۃ ہونے کی نسبت سے نماز میں سورۃ فاتحہ
سے متعلق ضروری مسائل بھی بیان کر دیے گئے ہیں تو حید خداوندی اور صفات باری تعالیٰ اس سورۃ کے
خاص موضوع ہیں جنہیں شرح و بسط کے ساتھ پیش کر دیا گیا ہے۔ آخر میں فلسفہ دُعا نے صراطِ مستقیم
اچھوتے انداز میں پیش کر کے معترضین کو مسکت جواب دے دیا گیا ہے۔ بغرضیکہ قارئین کرام ان
اسباق کو ایک ایسا گلدستہ پائیں گے جس میں دین سے متعلق ہر رنگ اور ہر بو کے پھول ملیں گے۔

سلسلہ دروس القرآن کی اشاعت کا کام جاری ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے کہ اس نے اس
عظیم کام کے لیے کارکنانِ مکتبہ دروس القرآن کو منتخب فرمایا ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ اس سلسلہ
کی جلد از جلد تکمیل کے لیے دُعا کریں۔ نیز حضرت مولانا صوفی صاحب مدظلہ کی صحت اور درازی عمر کے لیے
دُعا کریں جنہوں نے زندگی بھر کا اثاثہ مہر خاص و عام کو پیش کر دیا ہے۔

احقر العباد

لعل دین

ایم اے علوم اسلامیہ
شالامار ٹاؤن لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سخنہائے گفتنی

(طبع چہارم)

ان

محمد اشرف فاضل مدرسہ نصرت العلوم گوہر انوار وفاق المدارس العربیہ پاکستان

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ
الْكَرِيمِ خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَعَلَى
آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ .. آمَنَّا بَعْدُ

زندہ اقوام کے لیے آزادی سے بڑی کوئی نعمت اور غالباً غلامی سے بڑھ کر لعنت اور
منحوس کوئی چیز نہ ہوگی۔ خصوصاً اس قوم کا غلام ہونا جس نے اقوام عالم کو آزادی کا درس دیا اور انسانیت
کو غلامی کے منحوس اثرات سے نجات دلا کر آزادی کی نعمت سے مالا مال کیا ہو۔ جس کے راہبر، ہادی، عظیم
اور محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جنہوں نے پوری انسانیت کو، دینی اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور
دیگر بنیادی حقوق کی اعلیٰ اقدار سے روشناس کرایا۔

اور غلامی بھی ایسی اقوام کی جو درندگی، اخلاقی گراؤٹ میں اپنی مثال آپ ہیں، جو اپنے سوا تمام
اقوام کو انسانیت سے خارج اور جانوروں سے بھی بدتر سمجھتی ہیں، جو اربوں انسانوں سے اُن کی تجارت
و ستکاری، دولت، حکومت، عزت، خوشحالی، زمینیں، علوم، اجتماعی شان و شوکت، ذہنی اور فکری آزادی
چھین کر صرف اور صرف اپنا پیٹ بھرنے اور عیاشی میں بے ستم شاہ دولت خرچ کرنا جانتی ہوں اور صرف
رنگ و نسل کے فرق سے خون کی پیاسی ہو جاتی ہو۔ جس کی وحشیت، بربریت اور درندگی کی شہادت
آج بھی اندلس، غرناطہ، قرطبہ، اسپین، سیلیا، مالٹا، سوریہ، بلقان، فلسطین، ہندوستان اور ارض پاک
کی تاریخ دے رہی ہے۔

بقسمتی سے آزادی کے کچھ ہی دیر بعد سودی قرض لے لے کر وطن عزیز اور اس کے اہالیان کو اسی قوم کی سیاسی ذہنی اور معاشی غلامی میں دیدیا گیا، جس سے لاکھوں قربانیوں کے بعد آزادی حاصل کی تھی، اس قرض سے گو فائدہ وہ مٹھی بھر افراد اٹھاتے جو بینک سے قرضہ لے کر اثر رٹوں کے ذریعے معاف کرا لیتے ہیں یا پھر انہی قرضوں کے ذریعہ بیرون ملک خریداریوں پر کمیشن کے ذریعہ یا مختلف منصوبوں پر ٹھیکے دیتے یا لیتے وقت خوب دولت اکٹھی کرتے ہیں، جو یقیناً پہلے ہی بڑے بڑے افسر یا مالدار ہوتے ہیں۔ لیکن پوری قوم کو اس کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے۔ داخلی طور پر ہماری بے بسی، اور سیاسی غلامی کی اس سے بڑی اور کیا دلیل ہوگی کہ وفاقی وزیر داخلہ امریکی سفیر کو وائسرائے کا لقب دینے اور اس کے تبادلے کی درخواست کے باوجود اسے تبدیل کرانے میں ناکام ہے۔ اور وطن عزیز میں ہزار خواہش کے باوجود عوام اپنی مرضی سے کسی محب وطن کو برسر اقتدار نہیں لاسکتے بلکہ امریکہ اور یورپ کی پالیسیوں پر عمل کرنے والے ہی برسر اقتدار آسکتے ہیں اور وہی برسر اقتدار رہ سکتے ہیں۔ یہی حال دیگر اسلامی ممالک کا بھی ہے۔ جو یورپ یا روس کے اتحادی بننے پر مجبور ہیں۔ حالانکہ امریکہ اور روس دونوں طاغوتی طاقتیں ہیں۔

معاشی غلامی اور بے بسی کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی کہ ہم اپنی مرضی سے اپنا بجٹ بھی تیار نہیں کر سکتے۔ اس سال ہمارے تیار کردہ بجٹ کے اعداد و شمار اقوام متحدہ کے ادارہ آئی ایم ایف نے مسترد کر دیے (نوائے وقت ۱۰ مئی ۱۹۹۰ء)

ان قرضوں سے ہم اس قدر دب چکے ہیں کہ ہمیں اپنے دفاع سے زیادہ رقم سود کی ادائیگی پر خرچ کرنا پڑتی ہے۔ جب کہ ہمارے مجموعی غیر ترقیاتی اخراجات کا ۸۰ فیصد حصہ دفاعی اخراجات پر خرچ ہوتا ہے۔ (وفاقی وزیر خزانہ، نوائے وقت ۹ جون ۱۹۹۰ء)

اس سال حکومت نے کچھ ترارب روپے خسارے کا بجٹ تیار کیا تھا۔ جن میں بارہ ارب پچانوے کروڑ روپے کے نئے ٹیکس لگائے گئے۔ وفاقی حکومت نے آئندہ سال کے لیے اڑھتر ارب روپے سود کی ادائیگی کے لیے مختص کیے تھے، لیکن آئی ایم ایف نے فوری طور پر شرح سود ایک فیصد زیادہ کر دی جس سے پچاس سے ساٹھ کروڑ روپے زیادہ ادا کرنے پڑیں گے۔

گویا کہ سیاسی، ذہنی اور معاشی غلامی نے ہمیں ان آہنی زنجیروں میں جھکڑ دیا ہے جس سے آنے والی نسلیں بھی نکلنے کے بجائے اور زیادہ جھکڑتی چلی جائیں گی۔ اس وقت امریکہ اور یورپ ہمارے سامنے بنیئے سے بھی بڑے ساہوکار کی شکل میں موجود ہے۔

اپنی قرضوں کی وجہ سے خارجی طور پر بھی ہم امریکہ اور یورپ کی مکمل حمایت کرنے پر مجبور ہیں۔ اسرائیل کی مکمل پشت پناہی اور سیاسی، اقتصادی، گویا ہر طرح کی مکمل امداد امریکہ اور دیگر یورپین ممالک کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسرائیلی مظالم کے خلاف اقوام متحدہ میں زبانی مذمت کی قرارداد کو امریکہ غالباً تین بار وٹو کر چکا ہے۔

ہم یہ سمجھنے کے باوجود کہ اسرائیل مسلمانوں کا کتنا دشمن ہے، ہر روز اس کے ہاتھوں مسلمان مردوں عورتوں کے اغوا و قتل اور بچوں کے ذبح ہونے، ان سے چھینے ہوئے علاقوں میں یہودیوں کی آباد کاری اور پوری دنیا میں کروڑوں مسلمانوں پر یورپین یا ان کے اتحادیوں کے مظالم کی خبریں سننے کے باوجود اُن تک نہیں کہہ سکتے بلکہ نہ چاہتے ہوئے بھی امریکہ اور یورپ کے اولین اتحادیوں میں کھڑے ہونے پر مجبور ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس ذہنی، سیاسی اور معاشی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لیے پہلے سے کہیں زیادہ قربانیاں دینی پڑیں۔

زیر نظر کتاب تفسیر سورۃ فاتحہ میں اتاذی المحترم حضرت صفوی صاحب ’امجد ہم نے ان تلخ حقائق کو بڑے سادہ عام فہم الفاظ اور انتہائی اچھے انداز میں بیان فرمایا ہے صَوَاطِلُ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کی تفسیر کرتے ہوئے قرآن پاک اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے کے بعد خلفائے راشدینؓ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت کہتے ہیں۔

”ان کے عملی نمونے زندگی کے ہر شعبے میں موجود ہیں، معاملہ صلح کا ہو یا جنگ کا، عبادت کا مسئلہ ہو یا معیشت، معاشرت اور تجارت کا، ہر جگہ ان کا نمونہ موجود ہے۔“

کچھ اور آگے چل کر حضرت یہ الفاظ ذکر فرماتے ہیں۔

”آج مسلمانوں کی یہی حالت ہے، جو قوم آج اپنے اصول و ضوابط اور نمونے کو

چھوڑ کر دوسروں کے محتاج ہیں، محض فلسفہ جھاڑتے ہیں۔ عمل کا فقدان ہے، وہ کامیاب نہیں ہو سکتی، آج مسلمانوں کی کوئی چیز اپنی نہیں، سیاست، معیشت، معاشرت، تجارت ہر کام میں امریکہ اور یورپ سے ہدایات حاصل کرنے والے اور ان کے نمونے پر چلنے والے انعام یافتہ گروہوں میں شامل نہیں ہو سکتے۔

حضرت صوفی مدظلہ ان لوگوں میں سے ہیں جو مسلمانوں کی سچی ہمدردی اور خیر خواہی رکھتے ہیں مسلمانوں کی بد حالی پر تڑپتے اور گڑھتے ہیں۔ اور ہر موقع پر ان کو بنیادی خرابیوں سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ اور کیوں ایمان نہ ہو جب کہ حضرت صوفی صاحب شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے شرف تلمذ اور بیعت رکھتے ہیں۔ یقیناً یہ انہی کی بابرکت صحبت کا اثر ہے۔ اسی وجہ سے ان پورے دروس میں جا بجا مسلمانوں کی تباہ حالی کا ذکر اور ان کی بنیادی غامیوں کی نشاندہی خوب واضح طور پر ملے گی۔ ان دروس کی تمام جلدوں میں مستند تفاسیر کے اہم مسائل کو اس طرح بیان کیا گیا ہے جس سے عہد حاضر کے گھمبیر مسائل کا صحیح اور بہترین حل مل جاتا ہے۔ علمائے اہل حق کے عقائد کی روشنی میں غلط افکار اور باطل مذاہب کی مکمل بیخ کنی کی گئی ہے ان تمام دروس میں فلسفہ ولی اللہی کے متفرق کتابوں میں بکھرے ہوئے گمراہی قدر چواہرات آسان اور عام فہم الفاظ میں بکثرت ملیں گے۔ ان دروس پر حکمت ولی اللہی کی گہری چھاپ کافی نمایاں ہے زیر نظر کتاب سورۃ فاتحہ کے انیس دروس پر مشتمل ہے۔ جس میں دس دروس ابتدائی اور اہم باتوں پر مشتمل ہیں۔ منجملہ ان کے تعوذ، تسمیہ کی تفسیر اور ان کے مسائل، مسائل تلاوت، فضائل قرآن، اصول تفسیر، فاتحہ خلف الامام اور آئین جیسے اہم مضامین شامل ہیں۔ ان دروس میں قرآن پاک اور تفاسیر کا مطالعہ کرنے والے حضرات کو قرآن کے مطالعہ کے لیے ضروری اور اکثر مطلوبہ باتیں مل جائیں گی۔ باقی نو دروس میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر اور اس کے ضمن میں بہت سے ضروری مسائل آگئے ہیں۔ ان میں توحید باری تعالیٰ، رسالت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم، عظمت صحابہ کرامؓ اور مذاہب باطلہ کا رد بھی بہت اچھے انداز میں موجود ہے۔

راقم الحروف نے اس جلد میں ناظرین کرام کی سہولت کے لیے اکثر و بیشتر مقامات پر

حوالجات لگائیے ہیں تاکہ بوقت ضرورت اصل کتب کی طرف مراجعت ہو سکے۔

آخر میں دلی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دروس کو صاحبِ درس حضرت صوفی صاحبِ مَظَلَمِ
انجمنِ مہجانبِ اشاعتِ قرآن کے جملہ اراکین و معاونین، فاضل مرتب جناب حاجی لعل دین، سرگرم
ارکان، بلال احمد ناگی، الحاج بابو غلام حید، مستری محمد منیر، شیخ محمد یعقوب _____ اور اسکی
اشاعت میں حصہ لینے والے دیگر تمام حضرات کی فوز و فلاح اور بخشش کا ذریعہ بنائے اور
ان کی سعی جمیل کو قبول فرمائے اور قیامت تک زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو اس سے مستفید
ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

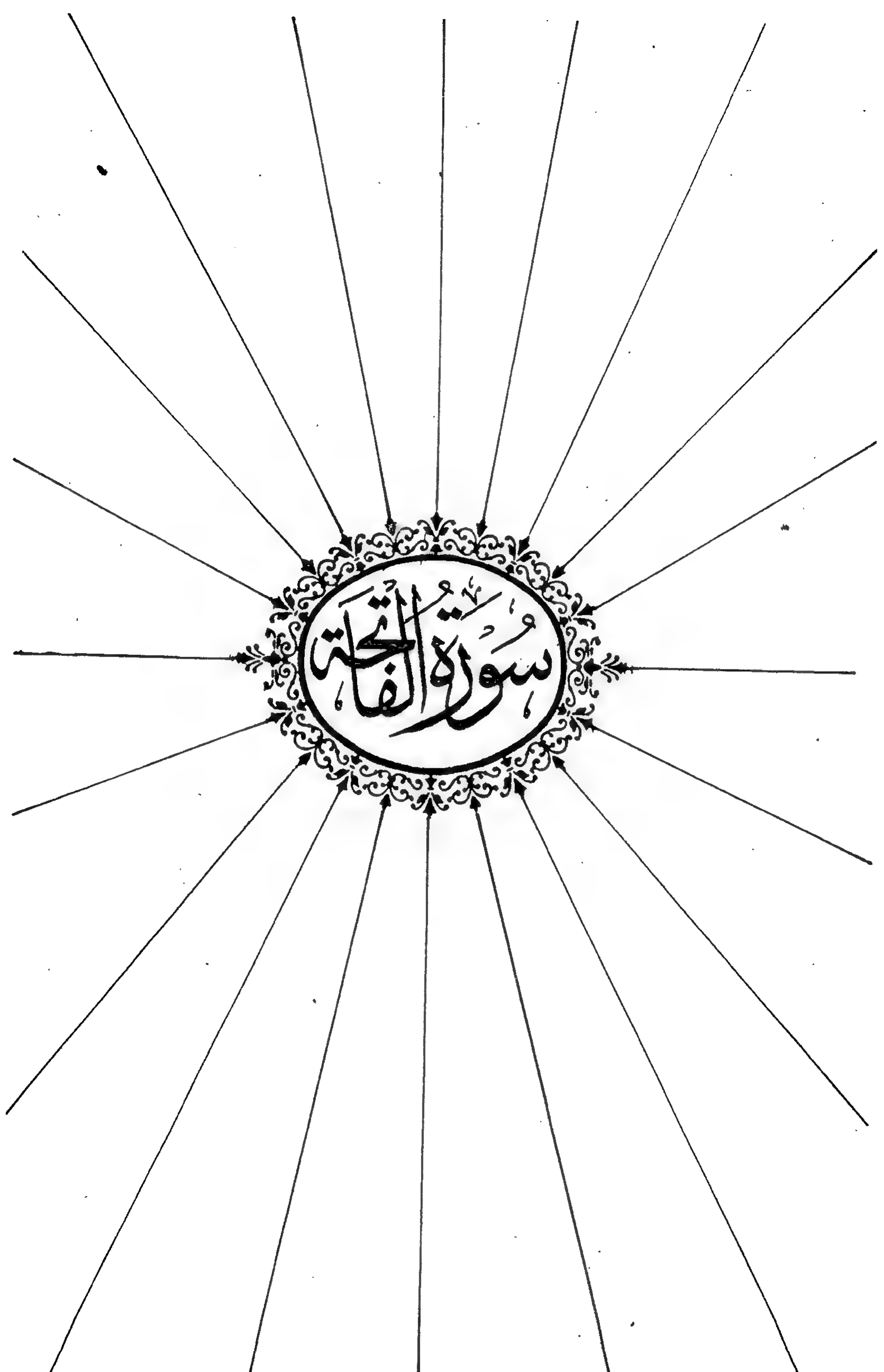
ایں دُعا از من و از جملہ جہاں آمین آباد

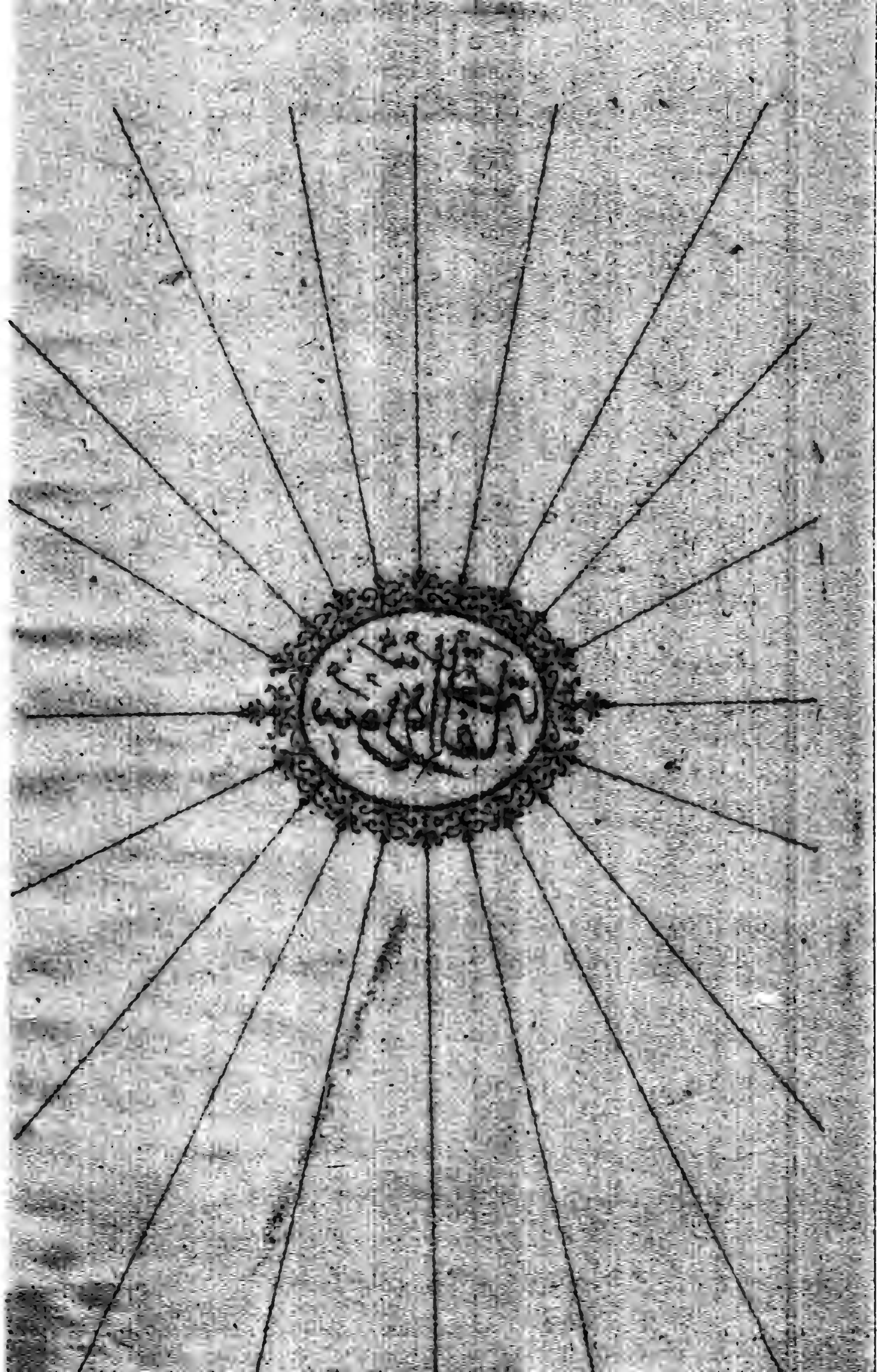
فقط

محمد اشرف فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم و وفاق المدارس العربیہ پاکستان

۱۹۹۰ء
۶ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۹۰ء

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ





سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعُ آيَاتٍ
سورة فاتحہ مکی ہے اور یہ سات آیات ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان اور رحم کرنے والا ہے

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ① الرَّحْمَنِ
الرَّحِيمِ ② مُلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ③ إِيَّاكَ
نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ④ اهْدِنَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِيمَ ⑤ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ
عَلَيْهِمْ ⑥ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ
وَلَا الضَّالِّينَ ⑦

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جو پُرورش
کرنے والا ہے سب جہانوں کا ① جو بے حد مہربان
نہایت رحم کرنے والا ہے ② جو مالک ہے انصاف
(جزا) کے دن کا ③ ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے

ہیں اور خاص تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں (۴) اے پروردگار!

ہدایت کر ہم کو (دکھا ہم کو) سیدھا راستہ (۵) اُن لوگوں کا

راستہ جن پر تو نے انعام کیا (۶) اُن لوگوں کا راستہ نہ

دکھا جن پر تیرا غضب ہوا، اور نہ گمراہوں کا (۷) آمین

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَبِآيٍ حَدِيثٍ مَّ بَعْدَهُ

يُؤْمِنُونَ (الاعراف) اگر مَزُولِ قرآن کے بعد لوگ ایمان نہیں لائیں گے

تو پھر اس کے بعد کونسی چیز آئیگی جس پر وہ ایمان لائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آخری

کتاب ہے جسے اُس نے انسانیت کی فلاح اور کائنات کی بہتری کے

لیے نازل فرمایا ہے۔ یہ کتاب اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ

وسلم پر نازل ہوئی ہے اب نہ کوئی نیا نبی آنے والا ہے اور نہ کوئی شریعت

نازل ہوگی۔ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نوشتہ یا صحیفہ نازل نہیں ہوگا،

لہذا تمام انسانیت کا فرض ہے کہ وہ اس آخری کتاب پر ایمان لے آئیں کہ

اسی میں اُن کی فلاح ہے۔

قرآن پاک میں اللہ کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ قِيَامَتِ كَے دن جب

محلے کی منزل آئیگی تو اللہ کا رسول اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے یَا وَفَّالَ

الرَّسُولُ يَرْبِّ اِنَّكَ قَوِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ

مَهْجُوًّا (الفرقان) رسول عرض کرے گا، اے پروردگار! میری اس قوم نے

قرآن کو پس پشت ڈال دیا یعنی نظر انداز کر دیا۔ نظر انداز کرنے سے مراد یہ

ہے کہ کافر لوگ تو اس پر ایمان نہیں لاتے مگر جو لوگ زبانی تسلیم بھی کرتے ہیں

وہ لاپرواہی سے کام لیتے ہیں، اس کی تعلیمات کو قبول نہیں کرتے

اور نہ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔

جہادِ کبیر اللہ تعالیٰ کا یہ سنن بھی قرآن کریم میں موجود ہے فَلَا تُطِيعُ الْكَافِرِينَ
وَجَاهِدْهُمْ بِجِهَادٍ كَبِيرٍ (الفوقان) اے پیغمبر! آپ کافروں
کی بات نہ مانیں اور ان کے خلاف اس قرآن کے ذریعے بڑا جہاد کریں گویا
جہادِ بالسیف کو جہادِ صغیر فرمایا اور قرآن کے ذریعے دنیا میں انقلاب برپا کرنے
کو جہادِ کبیر کہا گیا ہے، قرآن پاک تمام باطل ادیان و مذاہب، تمام باطل رسومات
کفر، شرک اور السجاد کے خلاف تعلیم دیتا ہے اللہ کی یہ آخری کتاب صرف
اُسی چیز کی تعلیم دیتی ہے جو اللہ کے نزدیک بہ حق ہے، لہذا اس کی تعلیمات کو
دنیا میں عام کرنا بہت بڑا جہاد ہے۔ جہادِ بالسیف تو کسی نہ کسی وقت پر ختم ہو
کر امن کی حالت قائم ہو جاتی ہے مگر جہادِ بالقرآن ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ امام
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی الفوز الکبیر میں لکھتے ہیں کہ قرآن میں سزا کی وعید سے
متعلق جتنی آیات موجود ہیں ان کا شان نزول یہ ہے کہ دنیا میں جب تک
برائی موجود ہے، یہ آیات اُس کو وعید سناتی رہیں گی، اسی طرح اس کتاب
میں بشارت والی تمام آیات دنیا میں پائی جانے والی ہر نیکی کے حق میں نازل ہوئی
ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ قرآنی آیات کی شان نزول کے لیے کوئی لمبے
چوڑے قصے کہانیوں کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہر برائی کے لیے وعید والی
آیت نازل ہوئی ہے اور ہر نیکی کے کام کے لیے بشارت والی آیت اللہ
نے نازل فرمائی ہے۔

اب جن برائیوں کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان میں اعتقاد کی عملی، اخلاقی، انفرادی اور اجتماعی ہر قسم کی برائیاں شامل ہیں۔ قرآن پاک ان تمام برائیوں کی مذمت کرتا ہے اور اپنے نبی کو ان کے خلاف جہادِ کبیر کا حکم دیتا ہے۔ لوگوں کو برائی سے ہٹا کر نیکی کی طرف لے آنا کوئی آسان کام نہیں ہے، اس کے لیے بڑی محنت اور جدوجہد کی ضرورت ہے۔ جو امع الکلم والی حدیث میں حضور ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے الْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ أَوْ عَلَيْكَ یعنی قرآن پاک تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف دلیل بنے گا، اگر تم قرآن پر ایمان لے آئے، اسے اپنا لیا اور اس کے احکام پر عمل کیا، تو یہ تمہارے حق میں دلیل بنے گا اور تمہارے حق میں گواہی دے گا اور اگر اس کو قبول نہ کیا، اس میں کوتاہی کی یا عملی طور پر اسے پس پشت ڈال دیا تو یہی قرآن پاک تمہارے خلاف گواہی دے گا۔

قرآن بطور
بہارِ دل

قرآن حکیم کی حیثیت اور عظمت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دعا سے واضح ہوتی ہے جس میں آپ نے اس صحیفہ آسمانی کو آنکھوں کا نور اور دل کا سرور فرمایا
 اَللّٰهُمَّ اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمِيَتْ بِهِ
 نَفْسٌ وَاَنْزَلَتْهُ فِيْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهُ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ
 اَوْ اسْتَاثَرْتَ بِهِ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ
 الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرًا بَصِيْرِيْ وَجِلَاءًا حُزْنِيْ وَذِهَابَ
 هَمِّيْ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے ہر اُس اسمِ پاک کے واسطے سے سوال کرتا
 ہوں جس کے ساتھ تو نے اپنے آپ کو موسوم کیا ہے یا اُس کو کسی کتاب میں
 نازل فرمایا ہے، یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو بتایا ہے، یا اُسے اپنے ہی پاس

رکھا ہے یا تیرے علم میں ہے، میں ہر اس اسم کے واسطے سے درخواست کرتا ہوں کہ قرآن پاک کو میرے دل کی بہار بنائے یعنی جس طرح موسم بہار کے بہار، پھول اور پھلوں کو دیکھ کر لوگوں کے دل مسرور ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس قرآن پاک کو میرے دل کی بہار بنائے کہ یہ اسے دیکھ کر باغ باغ ہو جائے۔ پھر عرض کیا، اس قرآن کو میری آنکھوں کا نور بنائے۔ اس کے ذریعے میرے غم اور اندیشوں کو دور فرمائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرآن پاک کے ساتھ اس قدر محبت تھی اور آپ کے دل میں اتنی عظمت تھی کہ آپ اس کیلئے دُعا فرمایا کرتے تھے۔

قرآن بطور
معجزہ

حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ ہر نبی کو کوئی نہ کوئی معجزہ عطا کیا گیا مگر اکثر انبیاء کے معجزات وقتی طور پر ظاہر ہوئے، لوگوں نے دیکھ لیا تو ختم ہو گئے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے جو خصوصی معجزہ عطا فرمایا وحیؑ اَوْحَى اللّٰهُ اِلَیَّ یہ قرآن پاک ہے جو بذریعہ وحی مجھ پر نازل کیا ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اُمید ہے کہ قیامت کے دن میرے پیروکار سب سے زیادہ ہوں گے کیونکہ میرا معجزہ بھی دائمی ہے۔ حضور علیہ السلام خود تو تریسٹھ سالہ زندگی گزار کر اس دُنیا سے رخصت ہو گئے مگر آپ پر نازل ہونے والا قرآن بطور معجزہ تا قیام قیامت موجود ہے گا، اللہ کا یہ کلام حرف بحرف قائم و دائم رہیگا جس طرح حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے پڑھ کر سنایا، چنانچہ سلیم الفطرت لوگ اس قرآن پاک کو پڑھ کر ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جاتے ہیں ہمارا ایمان ہے کہ قرآن کریم ابتداء سے انتہا تک وحی الہی اور حضور علیہ السلام کا زندہ

معجزہ ہے۔ سورۃ جن میں موجود ہے کہ جب جنوں نے اس کلام الہی کو سنا تو پکار اٹھے اِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا (الجن) ہم نے عجیب قرآن سنا فاصنابہ پس اس پر ایمان لے آئے۔ شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک عجیب ایسے ہے کہ عام کُتب میں تو معلومات ہوتی ہیں مگر قرآن پاک میں معلومات کے علاوہ بے شمار ایسے معارف بھی موجود ہیں جنہیں لوگ ابد الابد تک تلاش کر کے اپنے علم میں اضافہ کرتے رہیں گے مگر معارف ختم نہیں ہوں گے، کیونکہ وہ غیر محدود ہیں۔

ذکر ایک بہترین عبادت ہے جسکی کوئی تحدید

LIMITATION

ذکر الہی ہے

نہیں۔ ہر عبادت کی کوئی نہ کوئی حد ہوتی ہے مگر ذکر الہی غیر محدود ہے۔ قرآن کریم کی ایک حیثیت ذکر الہی کی بھی ہے۔ سورۃ جمعہ میں آتا ہے وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو جائے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک بھی ہے لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ کسی شخص نے عرض کیا، حضور! کوئی ایسی بات ارشاد فرمائی جس کو ہمیشہ پڑھتا رہوں، آپ نے فرمایا کہ تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہیئے۔ زبانی ذکر سب سے آسان ذکر ہے، خالی اللہ اللہ کرتا ہے یا سبحان اللہ کہتا ہے۔ یا رحمان یا رحیم کا ورد ہو یا یاسحی یا قیوم پڑھتا ہے۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ، اللَّهُ أَكْبَرُ، اسْتَغْفِرُ اللَّهَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ذکر کی مختلف صورتیں ہیں۔

قرآن حکیم کی حیثیت علم کی بھی ہے اور ذکر کی بھی۔ چنانچہ قرآن پاک کی تلاوت افضل اذکار میں سے ہے۔ سوائے اُن اذکار کے جن کے متعلق حضور علیہ السلام نے خاص طور پر آگاہ فرمایا ہے، قرآن کے برابر کوئی دوسرا ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ

جزائے عمل کے وقت قرآن پاک کی تلاوت کرنے والوں کو دیگر اذکار کی نسبت زیادہ اجر و ثواب حاصل ہوگا۔ بہر حال قرآن پاک ذکر بھی ہے۔

تلاوت
قرآن کا اجر

بیہقی شریف اور دیگر کتب میں یہ حدیث موجود ہے کہ سب سے زیادہ افضل قرآن پاک کی وہ تلاوت ہے جو نماز کے دوران کی جائے۔ نماز کے علاوہ ویسے قرآن پاک کی تلاوت تسبیح و تحمید سے افضل ہے یعنی ایک شخص سبحان اللہ، الحمد للہ اللہ اکبر وغیرہ کا ذکر کرتا ہے اور دوسرا قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے تو تلاوت کرنے والا افضل ہے فرمایا تسبیح و تحمید صدقے سے زیادہ افضل ہے اور صدقہ روزے سے افضل ہے کیونکہ روزہ کی حیثیت انفرادی ہوتی ہے جب کہ صدقہ اجتماعی حیثیت کا حامل ہوتا ہے اس میں اللہ کی رضا بھی ہوتی ہے اور محتاج کی ضرورت بھی پوری ہوتی ہے۔ آپ نے روزے کے متعلق فرمایا الصَّوْمُ جُنَّةٌ يَسْتَجِنُّ بِهَا الْعَبْدُ مِنَ النَّارِ خالص اللہ کی رضا کے لیے رکھا جانے والا روزہ دوزخ کے سامنے ڈھال بن جائیگا۔ بہر حال معلوم ہوا کہ مذکورہ تمام امور میں تلاوت قرآن پاک کو اول درجے کی حیثیت حاصل ہے آداب قرآن کے سلسلہ میں حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ لَا تَوَسَّدُوا الْقُرْآنَ یعنی اے قرآن پاک کے ماننے والو! قرآن کو سرہانے کے نیچے نہ رکھا کرو۔ اس کو پس پشت نہ ڈالو بلکہ واتْلُوْهُ اس کو پڑھو پڑھاؤ وافشُوْهُ اور اس کو پھیلاؤ۔ نیز فرمایا اس کے ثواب میں

فیض القدیر شرح جامع صغیر ج ۵۱۳ بحوالہ بیہقی شعب الایمان

۱۷ نسائی ج ۳، بخاری ج ۲۵۴ و فیض القدیر شرح جامع صغیر ج ۲۴۲ بحوالہ طبرانی کبیر

۳ مشکوٰۃ ص ۱۹۲ کتاب فضائل القرآن بحوالہ بیہقی شعب الایمان

جلد بازی نہ کرو، اس کا ثواب یقیناً ملے گا۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن پاک فلاح کا پروگرام ہے تمام لوگوں کو چاہیے کہ اس پر اعتقاد قائم کریں، اس کو پڑھیں اس کو سمجھیں اور پھر اس پر عمل پیرا ہو جائیں۔

قرآن حکیم کے متعلق تمہیدی طور پر چند کلمات میں نے عرض کر دیے ہیں۔ اس کے بعد انشاء اللہ اعوذ باللہ کے متعلق مختور عرض کریں گے، پھر بسم اللہ کا بیان ہوگا، اور پھر سورۃ فاتحہ کے متعلق مختور اختور بیان ہوگا۔

اعوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

میں پناہ حاصل کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی شیطان مردود سے

تعوذ
بطور ذکر

ارشادِ خداوندی ہے فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (النحل) جب آپ قرآن پاک پڑھیں تو پہلے اللہ کی ذات کے ساتھ شیطان مردود سے پناہ مانگیں۔ تعوذ کا معنی پناہ طلب کرنا ہے قرآن و سنت میں مختلف شرور اور فتنوں سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے چنانچہ قرآن پاک کی تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا سنت ہے۔

تعوذ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ایک قسم ہے۔ سب سے آسان ذکر لسانی یعنی زبانی ذکر ہے۔ اس کی کل دس اقسام ہیں، جن میں سے تعوذ بھی ایک قسم ہے ذکر الہی کی قرآن و سنت میں بڑی فضیلت آئی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
فَاذْكُرُونِيْٓ اَذْكُرْكُمْ (البقرہ) تم میرا ذکر کرو، میں تمہیں یاد کروں گا حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے اِنْ ذَكَرْتَنِيْ فِيْ نَفْسٍ ذَكَرْتُهُ فِيْ نَفْسِيْ جو مجھے اپنے جی میں یاد کریں گا میں بھی اس کو اپنے جی میں یاد کروں گا وَاِنْ ذَكَرْتَنِيْ فِيْ مَلَاۤءِكَةٍ ذَكَرْتُهُ فِيْ مَلَاۤءِكِهِمْ خَيْرٌ مِّنْهُمْ جو آدمی مجھے کسی مجلس یا گروہ میں یاد کریں گا تو میں اس کا ذکر ان سے بہتر گروہ میں کروں گا ذکر قلبی بھی ہوتا ہے اور لسانی بھی۔ تاہم لسانی ذکر آسان ہے۔ امام ابو بکر جصاص فرماتے ہیں کہ قلبی یا نفسی ذکر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے قلب

اور ذہن سے اللہ تعالیٰ کے انعامات کو یاد کرے اور پھر اُس کا شکر ادا کرے
یہ قلبی ذکر کا علمی انداز ہے، البتہ اصحابِ طریقت لوگوں کا معمول یہ ہے کہ وہ اندر
جانے والے اور باہر آنے والے ہر سانس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں
اُن کا قلب خدا کا ذکر کرتا ہے مگر یہ چیز بڑی تربیت اور مشق کے بعد حاصل ہوتی ہے
چونکہ لسانی ذکر ہی آسان تر ہے اس لیے عام لوگوں کو اسی ذکر کی تلقین کی جاتی ہے
لسانی ذکر کی دس اقسام بیان کی جاتی ہیں جن میں پہلی قسم تسبیح ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ
کا بلند ترین ذکر ہے۔ سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ**
آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۖ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۚ
ایمان والو! اللہ کا خوب ذکر کرو اور اُس کی تسبیح بیان کرو صبح بھی اور شام کے وقت بھی۔
سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے **وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَسْبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا**
تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ۚ ہر چیز خدا تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے مگر تم اُن
کی تسبیح کو سمجھ نہیں پاتے، وہ اللہ ہی جانتا ہے بغرضیکہ شجر و حجر اور کائنات کا
ذکر ذرہ اللہ رب العزت کی تسبیح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و
شعور اور فہم و فراست عطا کر کے اُسے قانونِ الہی کا پابند (مکلف) بنایا ہے، لہذا
اس پر بطریقِ اولیٰ لازم ہے کہ نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ
کی تسبیح بیان کرے اپنی زبان سے **سُبْحَانَ اللَّهِ** کہے یعنی اے پروردگار تو ہر
ساجھی، شریک، عیب، نقص، کمزوری اور ضعف سے پاک اور منزہ ہے
ذکر کی دوسری قسم تحمید ہے یعنی بندہ اپنے رب تعالیٰ کی تعریف بیان کرے
اور کہے **الْحَمْدُ لِلَّهِ** تمام تعریفوں کا مستحق صرف خدا تعالیٰ ہے کیونکہ تمام داخلی
اور خارجی انعامات کو وجود دینے والا وہی ہے۔ تحمید نماز میں بھی کی جاتی ہے

اقسام ذکر
۱۔ تسبیح

۲۔ تحمید

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ چنانچہ نماز میں تسبیح کے بعد تحمید انہی الفاظ سے کی جاتی ہے۔ پھر جب ایک رکعت کی قرأت مکمل ہو جاتی ہے تو رکوع سے اٹھ کر کہتے ہیں رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اے پروردگار! تعریف تیرے ہی لیے ہے، بہر حال اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنا بلند ترین اذکار میں سے ہے۔
 ۳۔ تکبیر بھی ذکر ہے جس کے ذریعے اللہ کی بڑائی اور عظمت کا اظہار کیا جاتا ہے جب کوئی اہم کام انجام دیا جائے تو اپنے ضعف کے پیش نظر زبان سے کہتے ہیں اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللہ بڑا ہے۔ اس کے سوا کسی کے لیے بڑائی نہیں ہے۔ سورۃ مدثر میں ارشاد ہے وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرو، چنانچہ نماز کی ابتدا ہی اس لفظ سے ہوتی ہے اَللّٰهُ اَكْبَرُ اور پھر نماز میں ایک حرکت دوسری حرکت کی طرف جاتے ہوئے اس لفظ کو دہرایا جاتا ہے اور اس طرح اللہ رب العزت کی بڑائی بیان کی جاتی ہے۔

۴۔ تہلیل لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ بھی ذکر ہے۔ اس کے ذریعے شرک کی نفی اور خدا تعالیٰ کی الوہیت کو ثابت کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اُس کے سوا کوئی خالق، مالک اور مربی نہیں۔ وہ ذات وحدۃ لا شریک ہے۔ تہلیل کے ساتھ توحید کا کلمہ بھی آتا ہے وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وہ اکیلا ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ بھی ذکر کی ایک قسم ہے۔

۵۔ حوقلہ حَوْفَلَهُ عَنِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ بھی ذکر کی ایک قسم ہے یہ تفویض اور توحید کا کلمہ ہے اور حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق عرش الہی کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ اس کے ذریعے انسان خدا تعالیٰ کے سامنے اقرار کرتا

ہے کہ برائیوں سے باز رہنے اور نیکی کو انجام دینے کا عمل محض اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ اس کلمے کا ورد کرنے سے بہت بڑا اجر حاصل ہوتا ہے۔

ذکر کی ایک قسم حبلہ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے مفرد کلمہ حبی اللہ اور جمع کا کلمہ حَسْبُنَا اللہ آتا ہے۔ ہر مشکل وقت میں اس کلمہ کا ورد خیر و برکت کا باعث ہوتا ہے۔ اُحد کے موقع پر جب صحابہ کو سخت دشواری پیش آئی تو انہوں نے یہی کہا تھا قَالُوا حَسْبُنَا اللہ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (آل عمران آیت ۱۷۳) ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہی ہمارا کارساز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر لوگ آپ کی بات کا انکار کرتے ہیں فَقُلْ حَسْبِيَ اللہ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (توبہ) تو آپ کہ دیں کہ میرے لیے اللہ ہی کافی ہے۔ وہی معبود برحق اور میرا اُسی پر بھروسہ ہے۔

بسمہ بھی ذکر ہی کی ایک قسم ہے۔ ہم ہر کار خیر کی ابتداء بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے کرتے ہیں۔ سورۃ منزل میں ارشاد ہے وَادْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ یعنی اپنے رب کا ذکر کرو۔ غار صرا میں سب سے پہلی وحی کا نزول بھی اسی طرح ہوا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ اِسْ پروردگار کا نام لے کر پڑھیں جس نے پیدا کیا۔ چنانچہ ہر اچھا کام کرتے وقت بِسْمِ اللہِ کہنا اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور اُس کی بڑی فضیلت ہے استعانت یعنی اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا بھی ذکر میں شامل ہے۔ ہم ہر

نماز میں کہتے ہیں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اے پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد کے طالب ہیں۔ مافوق الاسباب اعانت خدا تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔ اسی لیے فرمایا هُوَ الْمُسْتَعَانُ مدد کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے، لہذا مدد اُسی سے طلب کی جاسکتی ہے۔

۱۔ حبلہ

۲۔ بسمہ

۸۔ استعانت

اللہ کا ذکر لفظ تبارک کے ساتھ بھی کیا جاتا ہے جیسے فرمایا تَبَارَكَ الَّذِي
بِيَدِهِ الْمُلْكُ (ملک) بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے
نیز یہ بھی فرمایا تَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (المؤمنون) بڑی برکتوں والی ہے
وہ ذات جو بہترین تخلیق کرنے والی ہے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ
الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ اللہ کی ذات بڑی بابرکت ہے جس نے قرآن حبیبی عظیم
کتاب اپنے بندے پر نازل فرمائی تاکہ اس کے ذریعے وہ تمام انسانوں کو خبردار
کر دے۔ برکت کا معنی ایسی زیادتی ہوتا ہے جس میں تقدس کا معنی پایا جائے چنانچہ
جب بھی کوئی اچھی چیز دیکھی جائے تو کہنا چاہیے بَارَكَ اللَّهُ تَعَالَى بِرِكَتِ عَطَا
کرے۔ یہ ذکر ہے، عرب اسے محاورے کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں۔

۱۰۔ تعوذ ذکر کی دسویں قسم تعوذ یعنی اعوذ باللہ کہنا ہے۔ اس کے لیے قرآن و سنت
میں مختلف الفاظ آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب قرآن پڑھو تو اللہ
تعالیٰ کا ذکر اس طرح کرو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
چنانچہ آج تعوذ کے بارے میں کچھ عرض ہوگا۔

تعوذ کی ضرورت اس دنیا میں انسان کوئی بھی کام کرنا چاہے خواہ وہ نیکی کا ہو یا بُرائی کا، تو فتنے
ایزدی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ کوئی کام از خود انجام
دے سکتا ہے مگر یہ کہ ہر قدم پر نصرت خداوندی کی ضرورت ہوگی۔ خاص طور پر جب
کوئی آدمی نیک کام انجام دینا چاہتا ہے تو اُس کو طرح طرح کی رکاوٹیں پیش آتی
ہیں تاکہ یہ کام پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکے۔ طرح طرح کے شرور اور فتنے راستے میں
حائل ہوتے ہیں، اسی لیے انسان کو تعلیم دی گئی ہے کہ کوئی بھی اچھائی کا کام
شروع کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کر لے، انسان کے حق میں

علم اور عمل دو مفید ترین چیزیں ہیں اور ہر انسان ان دونوں چیزوں کا محتاج ہے۔
 علم میں عقیدہ بھی شامل ہے اور ظاہر ہے کہ ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اُس
 کا عقیدہ اور فکر پاک ہو مگر تمام انسان اس میں کامیاب نہیں ہو پاتے کیونکہ ہر انسان
 اپنی قوت کے بھر سے پر یہ چیز حاصل نہیں کر سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی مدد
 اس کے شامل حال نہ ہو۔ عمل کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ کوئی بھی اچھا عمل
 اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی اعانت و نصرت کے بغیر انجام نہیں دیا جاسکتا۔
 اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں بہت سے حواس ظاہرہ اور باطنہ ودیعت
 فرمائے ہیں۔ حواس ظاہرہ میں قوتِ باصرہ (دیکھنے کی طاقت) قوتِ سامعہ
 (سننے کی طاقت)، قوتِ ذائقہ (چکھنے کی طاقت) قوتِ لامسہ (ٹوٹنے کی
 طاقت) اور قوتِ شامہ (سونگھنے کی طاقت) شامل ہیں۔ اسی طرح حواسِ باطنہ
 میں وہم، خیال، حس مشترک، قوتِ متفکرہ، ذہانت اور قوتِ عاقلہ ہیں جو اللہ تعالیٰ
 نے انسان کے دماغ میں رکھی ہیں۔ ان ظاہری اور باطنی حواس کے علاوہ انسان
 میں شہوت اور غضب کا مادہ بھی ہے۔ قوتِ جاذبہ جس کے ذریعے انسانی جسم
 غذا کو جذب کرتا ہے۔ قوتِ ہاضمہ ہے جس کے ذریعے کھائی جانے والی
 خوراک ہضم ہوتی ہے۔ یہ عمل، معدے، آنتوں اور جگر میں انجام پاتا ہے۔ پھر
 قوتِ غاذیہ ہے جو غذا کو ٹھکانے پر پہنچاتی ہے۔ قوتِ دفعہ فضلات کو جسم سے
 باہر نکالتی ہے اگر یہ چیزیں اندر رک جائیں تو صحت بگڑ جائیگی۔ انسانی جسم میں
 قوتِ نامیہ بھی ہے جس کے ذریعے انسانی جسم کی ایک خاص حد تک نشوونما
 ہوتی ہے۔ ایک قوتِ مؤلدہ بھی ہے جو تولیدی مادہ کے ذریعے نسل انسانی کو
 آگے بڑھانے کا سبب بنتی ہے۔

حواسِ ظاہرہ
و باطنہ

شیطان سے
پناہ طلبی

ان تمام قویٰ کا رخ عام طور پر نفس کی طرف ہوتا ہے اور نفس کا رخ شر کی طرف، سورۃ یوسف میں موجود ہے إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ (یوسف) نفس انسان کو اکثر برائی کی طرف مائل کرتا ہے مثلاً آنکھ کا کام دیکھنا ہے، مگر اچھی اور جائز چیز دیکھنے کی بجائے نفس اسے ناجائز اور حرام چیز دیکھنے پر آمادہ کرے گا۔ اسی طرح جب انسان کوئی عبادت یا دیگر نیک کام انجام دینا چاہتا ہے اور اپنے اوپر بعض پابندیاں عائد کرتا ہے تو آزادی پسند نفس نہ تو ایسی پابندیوں کو قبول کرتا ہے اور نہ ہی مشقت برداشت کرنا پسند کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اندرونی طور پر نفس اور بیرونی طور پر شیطان اُس نیک کام کی انجام دہی میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان اندرونی اور بیرونی شرور سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان کام شروع کرنے سے پہلے خدا تعالیٰ کی پناہ میں چلا جائے اور یہ پناہ تعویذ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص اَعُوْذُ بِاللّٰهِ کہتا ہے تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے میرے شدید دشمن شیطان سے پناہ میں رکھے تاکہ میں عبادت، تلاوت یا دیگر نیکی کا کام انجام دے سکوں۔

شیطان شطن کے مادے سے مشتق ہے اور اس کے دو معانی آتے ہیں اس کا ایک معنی دوری ہے، گویا شیطان اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہے اسی لیے اس کو رجیم یا مردود اور لعین بھی کہا جاتا ہے۔ شطن کا دوسرا معنی ہلاکت ہے، اور یہ بھی شیطان پر صادق آتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے غرور و تکبر کی وجہ سے بالآخر ہلاک ہونے والا ہے چونکہ شیطان ہر اچھے کام میں دخیل ہوتا ہے، اس لیے اُس کے شر سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کرنا ضروری ہے

تعویذ کی
تعلیم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سب سے پہلی وحی غار میں نازل ہوئی اور

جبرائیل علیہ السلام نے سورۃ علق کی پہلی پانچ آیات آپ کو پڑھائیں ^۱ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ① خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ② اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ③ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ④ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ⑤

مفسر قرآن امام ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے اَوَّلُ مَا نَزَلَ جِبْرِيلُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا مُحَمَّدُ اسْتَعِذْ ثُمَّ قَالَ قُلْ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ یعنی پہلی آیات کے نزول سے متصلاً اُسی دن جبرائیل علیہ السلام حضور علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا، اے محمد! اللہ تعالیٰ سے پناہ حاصل کریں اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھیں۔ اس کے ساتھ ہی آپ کو اَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بھی پڑھا دیا گیا۔ پھر آپ کو سورۃ فاتحہ کی تعلیم دی گئی اور وضو کا طریقہ بتلایا گیا اور پھر آپ کو نماز کے لیے کھڑا ہونے کا حکم ہوا۔ چنانچہ روایات سے ثابت ہے کہ وحی کے دو سرے دن حضور علیہ السلام نے نماز باجماعت ادا کی۔ آپ کے پیچھے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ اور حضرت خدیجہؓ تھیں بعض روایات میں حضرت زیدؓ کا ذکر بھی ملتا ہے۔

شریعت کا مسئلہ یہ ہے کہ قرأت کے علاوہ باقی عبادات شروع کرتے وقت صرف بسم اللہ پڑھنا چاہیے جبکہ قرأت سے پہلے اَعُوذُ بِاللَّهِ پڑھنا ضروری ہے۔ امام جعفر صادقؑ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ انسان کی زبان جھوٹ، غیبت اور غلط باتوں سے اکثر ناپاک رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاک

کلام کی تلاوت سے قبل زبان کا پاک ہونا ضروری ہے، اس لیے تعوذ کی تعلیم دی گئی ہے۔

مسنونہ
تعوذات

روایات میں تعوذ کے مختلف الفاظ آئے ہیں۔ جیسے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ یا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ بعض روایات میں مِنَ الشَّيْطَانِ اللَّعِيْنِ الرَّجِيْمِ کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ اس کے علاوہ اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ اور فَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ بھی آتا ہے۔ حمید ابن قیسؓ کی روایت میں اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْقَادِرِ مِنَ الشَّيْطَانِ الْغَادِرِ کے الفاظ بھی آتے ہیں یعنی میں اللہ کی پناہ حاصل کرتا ہوں جو قادر ہے شیطان سے بچنے کے لیے جو غدار ہے بعض محدثین نے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْقَوِيِّ مِنَ الشَّيْطَانِ الْغَوِيِّ میں قوی اللہ کی پناہ میں آتا ہوں اُس شیطان سے جو خود گمراہ اور گمراہ کنندہ ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو دم کرتے تو یہ الفاظ ادا فرماتے اُعِيْذُكُمْ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ الثَّامَّاتِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کی پناہ میں دیتا ہوں، ہر شیطان سے اور کھڑے سے اور ہر نظر بد لگانے والی آنکھ سے۔ حضور علیہ السلام جب کسی منزل پر اترتے تو یوں کہتے اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ الثَّامَّاتِ كُلِّهَا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ

۱۔ تفسیر ابن کثیر ص ۱۲، ۲۔ ترمذی ص ۵۱، ۳۔ عمل الیوم واللیلۃ مع ترجمہ نبوی لیل و نهار ص ۵۹

۴۔ مسلم ص ۲۲۷، عمل الیوم واللیلۃ نبوی لیل و نهار ص ۳۴

میں اللہ تعالیٰ کے کلمات تاملہ کے ساتھ ہر اُس بُرائی سے پناہ چاہتا ہوں جو خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ آپ نمیند سے بیدار ہونے پر یہ کلمات ادا فرماتے۔ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهِ وَعِقَابِهِ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهِ وَمِنْ هَمْزَاتِ الشَّيْطَانِ فِي اللّٰهِ تَعَالٰی کے کلمات تاملہ کے ساتھ اس کے غضب سے، عقاب سے، اُس کے بندوں کے شر سے اور شیاطین کی چھیڑ چھاڑ سے پناہ پکڑتا ہوں۔ حضور علیہ السلام نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اس طرح استعاذہ فرماتے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مَنْ هَمَزَهُ وَكَفَّحَهُ وَنَفَثَهُ فِي اللّٰهِ تَعَالٰی کی پناہ پکڑتا ہوں شیطان مردود کی چھیڑ چھاڑ سے اُس کے تکبر سے اور اس کے سحر سے۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بیت الخلا میں داخلے سے پہلے کہو اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبَيْثِ وَالْخَبَائِثِ اے اللہ میں ترا اور مادہ شیاطین سے تیری ذات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔ فرمایا جو شخص یہ کلمات ادا نہیں کرتا، شیطان اُس کے اعضائے مستورہ کے ساتھ کھیلتے رہتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی سکھلایا کہ بیت الخلا سے باہر آکر کہو غُفْرَانُكَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنِّيْ الْاَذَى وَعَافَانِيْ اللّٰهُ تَعَالٰی کا شکر ہے جس نے میرے جسم سے اذیت ناک چیز نکال دی اور مجھے عافیت عطا فرمائی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سفر پر جانے کی یہ دُعا سکھائی ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَشَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلِبِ وَمِنْ

۱۔ ترمذی ص ۵، ۲۔ عمل الیوم واللیل نبوی لیل و نهار ص ۶۵، ترمذی ص ۱۱

۳۔ عمل الیوم واللیل نبوی لیل و نهار ص ۳۰۴، ترمذی ص ۱۸۲ کتاب الدعوات

الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ اے اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ سفر کی مشقت
 سے، واپس پلٹ کر غمگین منظر دیکھنے اور ترقی کے بعد تنزل میں جانے سے
 پناہ مانگتا ہوں۔ جب کسی کو غم و اندیشہ لاحق ہو جائے تو نبی علیہ السلام نے اس
 طرح سکھایا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ
 وَالْكَسَلِ خداوند تعالیٰ! میں تیری ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں غم سے
 اندیشے سے، عاجزی سے اور کم ہمتی سے۔ آپ نے اس طرح بھی استعاذہ
 فرمایا ہے اَللّٰهُمَّ اِلٰہِیْ رَشِدِیْ وَاَعِزِّ لِّیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ
 اے اللہ! مجھے میری نیکی کی بابت الہام فرما اور مجھے میرے نفس کے شر سے بچا۔
 حضور علیہ السلام سے یہ دعائیں بھی ثابت ہیں اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ
 بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ اے اللہ! جہنم کے عذاب سے تیری
 ذات کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ میں قبر
 کے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں اَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْضِیَا
 وَالْمَمَاتِ وَمِنْ الْمَآْثِمِ وَالْمَقْدَرِ میں تیری پناہ چاہتا ہوں
 زندگی اور موت کے فتنے سے اور گناہ اور تاوان سے۔ ام المؤمنین حضرت
 عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ حضور علیہ السلام جب بھی نماز پڑھتے تو قبر کے عذاب
 اور فتنہ سے پناہ مانگنے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ
 وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ اور دوسروں کو بھی تلقین فرماتے۔ آپ نے ان الفاظ

۱۔ بخاری ص ۹۴۱ ۲۔ ترمذی ص ۱۸۶ کتاب الدعوات۔

۳۔ بخاری ص ۹۴۳ و مسلم ص ۳۴۴ ۴۔ سنن نسائی ص ۳۱۹

۵۔ سنن نسائی ص ۳۱۶

کے ساتھ بھی استعاذہ فرمایا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ فِتْنَةٍ
 الْغِنٰی وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ اے اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ
 دولت مندی اور فقر کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ غنی اور فقر دونوں باعث آزمائش
 ہیں۔ بسا اوقات لوگ ان کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں، لہذا آپ نے
 ان فتنوں سے محفوظ رہنے کے لیے استعاذہ فرمایا۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی
 فرمایا میں پناہ چاہتا ہوں مِنْ شَرِّ مَا عَلِمْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْلَمْ
 اس چیز کے شر سے جس کو میں جانتا ہوں اور اس چیز کے شر سے جس کو میں
 نہیں جانتا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ
 اَعْمَلْ میں ہر اُس عمل کے شر سے پناہ پکڑتا ہوں جس کو میں نے کیا ہے اور
 جس کو میں نے نہیں کیا۔ حضور علیہ السلام نے ہر قسم کے دشمن کے شر سے اس طرح
 پناہ سکھائی اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ
 مِنْ شُرُوْرِهِمْ اے اللہ ہم تجھے دشمنوں کے مقابلہ میں کرتے ہیں
 اور اُن کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔ آپ نے رات کو پیش آنے
 والے فتنوں سے بھی پناہ سکھائی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ طَوَارِقِ اللَّیْلِ مِیّت
 کو آنے والے فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑتا ہوں۔

قرآنی
تعویذات

قرآن پاک کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام نے بھی
 بعض مواقع پر تعویذ کیا۔ سورۃ بقرہ میں موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ موجود ہے کہ جب
 موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے

۱۔ بخاری ص ۹۴۳، مسلم ص ۳۴۷ ۲۔ سنن نسائی ص ۲۲

۳۔ عمل الیوم واللیلہ امام نسائی ص ۳۶۵

کا حکم دیتا ہے تو قوم نے کہا، کیا آپ ہمارے ساتھ مذاق کرتے ہیں؟ اُس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ میں اللہ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔ فرمایا ٹھٹھا کرنا جاہلوں کا کام ہے میں تو تمہیں اللہ کا کلام سنارہا ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں آتا ہے کہ جب اُن کی غزیش پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی تو کہنے لگے اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ (سورۃ ہود) اے اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ تجھ سے کسی ایسی چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کا مطالعہ کیجئے۔ جب عزیز مصر کی بیوی نے آپ کو بُرائی کی ترغیب دی تو آپ نے فرمایا مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّہٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَاۤیَ (سورۃ یوسف) پناہ بخدا، وہ تو میرا ربی ہے اُس نے مجھے عزت دی ہے، میں اس کے ناموس میں کیسے خیانت کر سکتا ہوں۔ پھر جب یوسف علیہ السلام کے ایک بھائی کو چوری کے الزام میں روک لیا گیا تو بھائیوں نے کہا کہ اس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو روک لو اور اس کو چھوڑ دو۔ اس کے جواب میں بھی یوسف علیہ السلام نے فرمایا مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخِذَ الْاَمْنَ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَہٗ پناہ بخدا! ہم تو صرف اُسی شخص کو روکیں گے جس کے ہاں سے ہمارا سامان برآمد ہوا ہے حضرت مریمؑ کے حجرہ میں تنہائی کے دوران ایک فرشتہ انسانی شکل میں پہنچ گیا۔ آپ گھبرا گئیں اور کہنے لگیں، اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْکَ اِنْ کُنْتَ تَقِیًّا (سورۃ مریم) میں خدائے رحمان کی پناہ میں آتی ہوں تجھ سے

اگر تو خدا سے ڈرنے والا ہے۔ اور جب مریم پیدا ہوئیں تو اُن کی والدہ نے
 اِن الفاظ کے ساتھ خدا تعالیٰ سے استعاذہ کیا اِنَّیْ اَعِیْذُهَا بِكَ وَ
 ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ (آل عمران) اے خدایا!
 میں اس بچی اور اس کی اولاد کو شیطان مردود کے شر سے تیری پناہ میں دیتی
 ہوں۔ جب فرعون اور اس کے ساتھیوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ہلاک کرنے
 کی دہمکی دی تو آپ نے کہا وَاِنِّیْ عُدْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْا
 (الدخان) میں اپنے اور تمہارے رب سے اس بات کی پناہ پکڑتا ہوں
 کہ تم مجھے سنگسار نہ کرو۔

سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ
 مِنَ الشَّیْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ یَسْمِیْعُ عَلٰیْهِمْ
 جب کبھی شیطان کی طرف سے چھیڑ چھاڑ ہو، تو اللہ کی پناہ طلب کرو بیشک
 وہ سُننے والا اور جاننے والا ہے۔ قرآن پاک میں یہ حکم بھی موجود ہے قُلْ
 رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَـزَاتِ الشَّیْطٰنِ ۙ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ
 یَّخْضُوْعَ ۙ خداندر کریم! میں تیری ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں شیاطین
 کی چھیڑ چھاڑ سے اور اس بات سے بھی پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے نیک
 کام میں خلل اندازی کے لیے حاضر ہوں۔ قرآن پاک کی آخری دو سورتیں جن کا
 حال ہی میں درس ہوا ہے استعاذہ کے مضمون پر ہی ہیں۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ
 الْفَلَقِ کہو کہ میں صبح کے مالک کی پناہ مانگتا ہوں۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ
 کہو کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔ غرضیکہ ان دو سورتوں میں مختلف
 قسم کی برائیوں سے پناہ پکڑنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے۔

قرآن و سنت میں تَعَوُّذ کے مختلف الفاظ بیان ہوئے ہیں جن میں سے
 کچھ عرض کر دیے گئے ہیں۔ قرآن پاک ایک عظیم نعمت ہے، جب کوئی شخص اس
 سے استفادہ حاصل کرنا چاہے گا تو شیطان ضرور اس کے راستے میں رکاوٹ
 بنے گا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم دی ہے کہ جب قرآن کریم کی تلاوت
 کرنا چاہو تو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھ لیا کرو

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان اور رحم کرنے والا ہے

کل تعوذ کے بارے میں تھوڑا سا بیان ہوا تھا۔ قرآن پاک کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنا ضروری ہے اس کی تھوڑی سی حکمت بھی عرض کی تھی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ تعوذ میں اعتصام باللہ پایا جاتا ہے۔ جب کوئی اعوذ باللہ پڑھتا ہے تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ چنگل مارتا ہے کہ خدا تعالیٰ اُسے تمام فتنوں اور خاص طور پر شیطان کے فتنہ سے اپنی پناہ میں لے لے۔ اب آج بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے متعلق مختصر گفتگو ہوگی۔

رابط
مضامین

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ بسم اللہ میں دو چیزیں بطور خاص پائی جاتی ہیں، ایک اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان اور دوسرے اس پر توکل۔ جب کوئی شخص کسی کارِ خیر کو شروع کرتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں اپنے پروردگار اللہ جل جلالہ پر ایمان رکھتا ہوں اور اُسی کے بھروسے پر یہ کام شروع کرتا ہوں۔

بسم اللہ
سے ابتدا

قدیم زمانہ سے لے کر آج تک کافر اور مشرک ہمیشہ اکثریت میں رہے ہیں۔ اُن کے مقابلے میں اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان لانے والے اَقْلٌ مِّنَ الْقَلِیْلِ یعنی قلیل تعداد میں رہے ہیں۔ آج بھی دنیا کی کل آبادی کا غالب حصہ

کفار و مشرکین پر ہی مشتمل ہے مشرک لوگ کوئی کام شروع کرنے سے پہلے اپنے
 معبودانِ باطلہ کا نام لیتے ہیں۔ پڑانے زمانے کے عرب کے مشرکین اپنے
 معبودانِ لات، منات اور عزرائی وغیرہ کا نام لیتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام
 کے زمانے کے لوگ ود، سواع، نسر وغیرہ کا نام لے کر کام کی ابتداء کرتے
 تھے۔ عیسائی آج بھی باپ بیٹا اور روح القدس کا نام لیتے ہیں۔ اس کے
 برخلاف جب دنیا میں اسلام کا سورج طلوع ہوا تو اس کے ماننے والے
 اہل ایمان کو حکم دیا گیا کہ وہ ہر کام اللہ تعالیٰ کا نام لے کر شروع کیا کریں جو کہ معبود
 برحق اور وحدہ لا شریک ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو سب سے
 پہلی آیات نازل ہوئیں اُن کی ابتداء بھی اسی حکم کے ساتھ ہوئی اِقْرَأْ بِاسْمِ
 رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ اُس پروردگار کا نام لے کر پڑھئے جس نے پیدا کیا۔
 قرآن پاک میں اللہ کے اسم پاک کے ذکر کی بار بار تلقین کی گئی ہے۔ سورۃ منزل میں فرمایا
 وَادْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ اِنِّهٖ سَمِیُّ ذٰلِکَ الذِّکْرِ وَ سُوْرَةُ اَعْلٰی میں ہے
 وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلَّی اِنِّهٗ رَبُّكَ اِنِّهٗ سَمِیُّ ذٰلِکَ الذِّکْرِ وَ
 طرَحِ سُوْرَةُ اَحْزَابِ میں ہے اے ایمان والو! اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا کَثِیْرًا وَ
 سَبِّحُوْهُ بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا اللّٰهُ تعالیٰ کا خوب ذکر کرو اور صبح شام اس کی
 تسبیح بیان کرو۔ بہر حال اہل ایمان کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ وہ ہر اچھے کام کی ابتداء
 بِسْمِ اللّٰهِ سے کریں۔

امام ابو بکر جصاصؓ اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ ہر اچھے کام کے شروع
 میں خواہ وہ کھانا پینا ہی ہو بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنی چاہیے، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کافر مان بھی ہے کُلُّ امْرِئٍ ذِي بَالٍ لَّمْ يَبْدَأْ بِسْمِ اللَّهِ فَهُوَ اقْطَعُ
ہر اچھا، جائز اور شان والا کام اگر بسم اللہ سے شروع نہیں کیا جائیگا تو وہ کام دُم
کٹے جانور کی طرح ہوگا یعنی بے برکت ہوگا۔ بنی کریم علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے
کہ جس خطبے کی ابتداء میں بِسْمِ اللّٰہ نہ پڑھی جائے یعنی اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے
فَہُوَ اَجْزَمُ وہ جذامی آدمی کی طرح ہوتا ہے جس کی انگلیاں وغیرہ گل چکی ہوں
لہذا ہر جائز کام کی ابتداء میں بطور تعظیم اللہ کا نام لینا ضروری ہے۔

بِسْمِ اللّٰہ
جزو قرآن
یا سورۃ

سورۃ نمل کی آیت ۳۰ ہے اِنَّہٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّہٗ بِسْمِ اللّٰہِ
الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ چنانچہ تمام محدثین اور فقہائے کرام کا اس بات پر
اتفاق ہے کہ قرآن پاک کی کم و بیش ۶۶۱۶ آیات میں سے بسم اللہ الرحمن الرحیم
ایک آیت ہے اور یہ جزو قرآن ہے۔ البتہ اس بارے میں اختلاف ہے
کہ بسم اللہ ہر سورۃ کا جزو بھی ہے یا نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے پیروکار
کہتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم قرآن کا جزو تو ہے مگر ہر سورۃ کا جزو نہیں۔
چنانچہ جب قرآن پاک بالجہر پڑھا جاتا ہے تو صرف سورۃ نمل میں بسم اللہ الرحمن الرحیم
کی تلاوت بالجہر کی جاتی ہے، باقی پورے قرآن پاک میں بسم اللہ آہستہ پڑھی جاتی
ہے بجز ایک مرتبہ کے ہر دو سورتوں کے درمیان جو بسم اللہ لکھی جاتی ہے، یہ
محض سورتوں کے درمیان امتیاز کرنے کے لیے ہے۔ ورنہ ابتداء سورۃ
میں بسم اللہ کسی سورۃ کا جزو نہیں ہے۔

چونکہ بسم اللہ الرحمن الرحیم قرآن پاک کا جزو ہے۔ اس لیے اس کے
بھی وہی احکام ہیں جو قرآن پاک کے ہیں۔ کوئی جنبی آدمی یا حیض و نفاس والی عورت

قرآن پاک کو ہاتھ نہیں لگا سکتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ
(الواقعه) اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے لَا تَمَسُّ
الْقُرْآنَ إِلَّا وَثَّطًا ۚ یعنی طہارت کے بغیر قرآن پاک کو ہاتھ مت لگاؤ۔ چنانچہ قرآن پاک کی
کوئی آیت خواہ وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہی ہو اگر کسی علیحدہ کاغذ پر بھی لکھی ہوئی ہو تو شرعی
ناپاکی کی حالت میں اُسے ہاتھ نہیں لگایا جاسکتا۔ اسی طرح قرآن کا کوئی حصہ بشمول
بسم اللہ الرحمن الرحیم جنبی آدمی یا حیض و نفاس والی عورت کے لیے پڑھنا بھی جائز نہیں
البتہ ایک بات ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم چونکہ ذکر بھی ہے، اس لیے ناپاک آدمی بطور
ذکر اس کو پڑھ سکتا ہے کیونکہ ذکر ہر حالت میں روا ہے۔ چنانچہ ناپاک مرد یا عورت کا شریف
استغفار، درود شریف، سبحان اللہ، الحمد للہ لا الہ الا اللہ اور بسم اللہ پڑھ سکتا ہے۔
البتہ ہاتھ لگانے کی ممانعت ہے۔

نماز میں سورۃ فاتحہ سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھنا
ضروری ہے۔ کیونکہ سورۃ فاتحہ قرآن کا حصہ ہے جس کے متعلق قطعی حکم ہے فَاِذَا
قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ (النحل) اور اس
کے ساتھ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھنا سنت ہے۔ چنانچہ امام اعوذ باللہ
اور بسم اللہ دونوں آہستہ پڑھیگا۔ اس سلسلے میں حضرت انسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ
میں نے حضور علیہ السلام، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی مگر کسی نے
بھی بسم اللہ بلند آواز سے نہیں پڑھی۔ اُوپنی آواز سے قرأت الحمد للہ سے شروع کرتے
تھے، تاہم بسم اللہ کا پڑھنا ضروری (سنت) ہے اس کے بعد جب سورۃ فاتحہ پڑھ کر دوسری
سورۃ تلاسنے لگے تو دونوں سورتوں کے درمیان بھی بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے اور پڑھنے

والا ثواب کا مستحق ہوگا۔ البتہ اگر دوسو سورتوں کے درمیان بسم اللہ نہ بھی پڑھی جائے تو نماز میں خلل واقع نہیں ہوتا۔ احناف اسی بات کا فتویٰ دیتے ہیں۔

بسم اللہ
بوقت ذبح

جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنی فرض ہو جاتی ہے کیونکہ یہ ملت کا شعار ہے۔ اگر اس موقع پر اللہ کا نام نہیں لے گا بسم اللہ اکبر نہیں کہے گا۔ تو شعار کے خلاف ہوگا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا حکم بھی موجود ہے فَادْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ (الحج) اونٹوں کی قطاروں کو اللہ کا نام لے کر نحر کرو۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی موجود ہے وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ (الانعام) جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، اس کو مست کھاؤ، وہ مردار کی مانند ہے البتہ اگر کوئی شخص بوقت ذبح بسم اللہ اکبر کہنا بھول جائے تو اس کے لیے معافی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ کا نام ہر مومن کے دل میں ہوتا ہے۔ اور اگر قصداً اللہ کا نام نہیں لیا تو ذبیحہ حرام ہوگا کہ یہ ملت ابراہیمہ کے اصولوں کے خلاف ہے۔

کوئی بھی کام ہو طہارت، کھانا پینا، لباس پہنا، چلنا، سونا، تمام کام اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے شروع کرنے چاہئیں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جب گھر سے نکلو تو کہو بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ میں اللہ کا نام لے کر اللہ ہی کے بھروسے پر چلا ہوں آپ نے گھر میں داخل ہونے کی دعا اس طرح سکھائی ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَ الْمَوْلِجِ وَخَیْرَ الْمَخْرِجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبَّنَا تَوَكَّلْنَا اے اللہ! میں گھر میں خیریت

ہر کام
میں بسم اللہ

سے داخل ہونے اور خیریت سے نکلنے کا سوال کرتا ہوں۔ ہم اللہ کے نام کے ساتھ گھر میں داخل ہوتے ہیں اور اپنے پروردگار اللہ پر ہمارا بھروسہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جب بسم اللہ کہا جاتا ہے تو اس میں فعل مخدوف ہوتا ہے۔ آدمی فعل کی مناسبت سے بسم اللہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے میں کھانا پیتا ہوں یا پہنتا ہوں یا سواری پر بیٹھتا ہوں یا کوئی دیگر کام کرتا ہوں۔ حضرت ام سلمہؓ کے چھوٹے بیٹے عمر بن ابی سلمہؓ حضور کی پرورش میں تھے۔ ان کا شمار چھوٹے صحابیوں میں ہوتا ہے۔ کھانا تیار تھا۔ بچے نے دُور بیٹھے ہی کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اے بیٹے! قریب ہو کر بیٹھو، بسم اللہ پڑھو کُلْ بِیَمِیْنِكَ اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ وَکُلْ مِمَّا یَلِیْكَ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔ آپ نے کھانے کے متعلق چار چیزوں کی تعلیم دی جس میں بسم اللہ بھی شامل ہے۔

بسم اللہ میں اسم کے ساتھ جو ”ب“ لگی ہوئی ہے اس کے بہت سے معنی آتے ہیں۔ اس کا مشہور معنی ”تو مصاحبت یا رفاقت ہے مگر یہ تبرک اور استعانت کے لیے بھی آتی ہے۔ تاہم یہاں پر تینوں معنی مراد ہیں۔ اس طرح بسم اللہ کا معنی یہ ہو گا کہ میں یہ کام اللہ تعالیٰ کے نام کی رفاقت سے اور اس کے نام کی برکت سے اور اُس کی مدد سے شروع کرتا ہوں۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں لفظ اللہ اسم ہے اور رحمان اور رحیم صفات ہیں۔ اسم اللہ تعالیٰ کی ذات کو ظاہر کرتا ہے جب کہ اُس کی ہر صفت اُس کی کسی نہ کسی تجلی کو ظاہر کرتی ہے۔ امام عبد الکریم جیلیؒ نے اپنی کتاب الانسان الکامل میں لکھا ہے کہ اسم وہ شے

ہے جو فہم میں معین ہو، خیال میں مصور ہو، وہم میں حاضر ہو، فکر میں مرتب، حافظہ میں محفوظ ہو، عقل میں موجود ہو۔ فرماتے ہیں کہ اسم بول کر ہی ذات کو سمجھا جاسکتا ہے اس کے بغیر ذات کو نہیں سمجھا جاسکتا اور اسم کا مفہوم یہی ہے جو عرض کر دیا۔

اللہ رحمان
اور رحیم

انسان کوئی بھی کام کرنا چاہے، اُسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے (۱) اسباب فراہم کرنا (۲) انتہا تک پہنچانا (۳) ثمرات مرتب کرنا۔ جہاں تک اسباب فراہم کرنے کا تعلق ہے، اس پر اسم اللہ کا تصرف ہوتا ہے چونکہ اللہ خالق کُلِّ شئیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہے لہذا اسی اسم پاک کے ذریعے سے کسی کام کے اسباب مہیا ہوتے ہیں۔ ان اسباب کو آخر تک قائم رکھنا بھی ضروری ہے ورنہ کام ادھورا رہ جائے گا چنانچہ ان اسباب کو انتہا تک قائم رکھنے میں صفت رحمان کا فرما ہوتی ہے۔ کہ وہ بڑا مہربان ہے۔ پھر جب کام مکمل ہو جاتا ہے تو اس کے ثمرات مرتب کرنے میں صفت رحیم اپنا تقاضا پورا کرتی ہے۔ لہذا جب کوئی شخص کوئی کام کرنے لگتا ہے اور بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ان تینوں اسمائے پاک کے وسیلے سے کام کی تکمیل چاہتا ہے۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں رَحْمَانُ الدُّنْيَا وَرَحِیْمُ الْآخِرَةِ یعنی صفت رحمان میں عمومییت پائی جاتی ہے۔ لہذا اس دنیا میں اللہ تعالیٰ ہر نیک و بد اور مومن و کافر پر یکساں مہربان ہے اور سب کو ضروریات زندگی بہم پہنچاتا ہے۔ البتہ صفت رحیم کا تعلق صرف آخرت سے ہے، لہذا آخرت کے انعام و اکرام صرف مومنوں پر ہوں گے جب کہ کفار مبتلائے عذاب ہوں گے بہر حال

بسم اللہ میں یہ تینوں صفات پائی جاتی ہیں۔ اللہ ذاتی نام ہے اور رحمان و رحیم اس کی صفات ہیں۔ ہر کام کی تکمیل کے لیے ان تینوں اسمائے پاک کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے بسم اللہ الرحمن الرحیم میں تینوں نام آگئے ہیں۔

اسما کو مخفف کرنے کی ریت دُنیا میں عام ہو چکی ہے۔ انگریزی تمدن میں اس و باء کو خصوصی پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ ڈگریوں کے نام ایم اے، بی اے، پی ایچ ڈی کی قبولیت کے بعد اپنے ناموں کی تخفیف بھی عام ہے جیسے زعیم الرحمن سلمری کی بجائے زیڈ آرم سلمری لکھا اور بولا جاتا ہے۔ اس ضمن میں فقہا کرام اور محدثین عظام فرماتے ہیں کہ جو نام اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو، اس میں تخفیف کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ جیسے عبد الصمد کو صرف صمد کہنا یا عبد الرحمن کو رحمان اور عبد المجید کو مجید صاحب کہ دینا غلط ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور ان کا اطلاق کسی مخلوق پر کرنا جائز نہیں۔ اس لیے یہ نام مکمل عبد الرحمن یا عبد المجید کہہ پکارتے چاہئیں جس سے انسان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا عبد ظاہر کرے۔

ٹھوکر لگنے پر بسم اللہ

اللہ تعالیٰ کے نام کی برکات کا ذکر احادیث میں بھی آتا ہے حضور علیہ السلام سواری پر سوار تھے۔ آپ کے پیچھے ایک دوسرے صحابی بھی بیٹھے تھے۔ اچانک سواری کو ٹھوکر لگی تو پیچھے بیٹھے صحابی نے عربی محاورے کے مطابق کہا تَعَسَ الشَّيْطَانُ یعنی شیطان تباہ ہو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ ایسا مت کہو، کیونکہ ایسا کہنے سے شیطان سمجھتا ہے کہ میری بھی کوئی حیثیت ہے جسکی وجہ سے مجھے بُرا بھلا کہا جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا ایسے موقع پر بسم اللہ کہو منہ احمدؑ کی روایت میں آتا ہے اِذَا قُلْتَ بِسْمِ اللّٰهِ تَصَاغَرُ جِبْتُمْ بَسْمِ اللّٰهِ کہو

تو شیطان ذلیل و خوار ہو گا۔ صغیر کا معنی لچھوٹا ہوتا ہے۔ فرمایا بسم اللہ کہنے سے شیطان مکھی کے برابر چھوٹا سا بن جاتا ہے۔

معاہدہ
حدیبیہ میں
بسم اللہ

جب صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے پایا تو حضرت علیؓ کو ضبط تحریر میں لانے کے لیے کہا گیا۔ آپؐ نے اس کی ابتدا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کی۔ اس پر کفار نے اعتراض کر دیا کہ ہم رحمان اور رحیم کو نہیں جانتے، لہذا پرانے طریقے کے مطابق بِسْمِکَ اللّٰهُمَّ کے الفاظ لکھے جائیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی قُلْ اَدْعُوا اللّٰهَ اَوْ اَدْعُوا الرَّحْمٰنَ ۚ اَیَّامًا تَدْعُوۡا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی (نبی اسرائیل) خدا تعالیٰ کو اللہ کے لفظ سے یاد کرو یا رحمان و رحیم کے ساتھ، اُس کے سائے نام بھلے ہیں۔ مشرکین محض ہٹ دھرمی کر رہے ہیں کہ رحمان و رحیم کا ذکر پسند نہیں کرتے حالانکہ صفت رحمان سے کمالات وجود اور رحیم سے معنوی اور اخروی کمالات آتے ہیں۔ بہر حال حضورؐ نے فرمایا کہ مشرکین جس طرح چاہتے ہیں اسی طرح لکھ دو۔ چنانچہ معاہدہ حدیبیہ کی ابتدا صرف اللہ تعالیٰ کے نام سے کی گئی۔

قرآن پاک کی ابتدا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی "ب" سے ہوتی ہے اور اس کی انتہا وَالنَّاسِ کی "س" پر ہوتی ہے۔ اس کے متعلق بغزنی کے مشہور شاعر ثنائی جو کہ اولیاء اللہ ہیں سے تھے، فرماتے ہیں ے

اول و
آخر قرآن

اول و آخر قرآن زیں چہ باوسین

یعنی اندر راہ دیں رہبر تو قرآن بس

قرآن پاک با سے شروع ہوا اور س پر ختم ہوا ہے، دین کے راستے میں تیری

راہنمائی کے لیے یہی نسخہ کافی ہے۔ شنائی نے یہ بھی کہا ہے ۔

گردِ قرآن گمرو زانکہ ہر کہ از تو آں گرفت

آں جہاں مرست از عقوبتِ ایں جہاں رست از فتن

قرآن کے گرد ہی گھومو کیونکہ جو شخص قرآن پاک سے اخذ کرے گا، وہ اُس جہاں میں ہمارے
بچ جائے گا اور اِس جہاں میں فتنوں سے مامون ہے گا۔ یہ اس قدر بابرکت کتاب ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ بندے کی تین حالتیں ہیں۔ پہلی حالت اِس جہاں
کی ہے۔ انسان کافر ہے۔ اس جہاں میں معبودِ برحق کی عبادت کرے، اور
اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائے انسان کی دوسری حالت برزخ کی ہے۔

انسان کافر ہے کہ اِس دُنیا میں ایسے اعمال انجام دے کہ برزخ کے لیے
اللہ تعالیٰ کی رحمت کو ساتھ لے کر جائے نہ کہ خدا تعالیٰ کے غضب کو لے
جائے۔ اگر اُس نے قرآن پاک سے راہنمائی حاصل کی تو برزخ میں بھی مسرور ہوگا۔

اور پھر آخرت میں تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہی مہربانی ہوگی، یہ اُس کی تیسری حالت
ہے۔ غرضیکہ جس شخص نے دُنیا میں اللہ تعالیٰ کے صراطِ مستقیم کو پکڑ لیا، وہ
برزخ میں اُس کی صفت رحمان سے مستفید ہوگا اور آخرت میں صفت رحیم کا

مستحق بن جائے گا۔

اسماء القرآن

قرآن پاک کی ابتدا، سورۃ فاتحہ سے ہو رہی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے قرآن پاک کی عظمت کا کچھ بیان ہوا تھا۔ اُس کے بعد تعویذ پر مختصر گفتگو ہوئی اور پھر بِسْمِ اللّٰہ کے متعلق مختصر عرض کر دیا ہے اب آج کے درس میں قرآن پاک کے مختلف اسما اور اُن کی مختصر تشریح بیان ہوگی۔

قرآن

قرآن کا مادہ قرآن ہے، جس کا لفظی معنی 'جمع کرنا' ہے۔ چونکہ پڑھنے میں حرف کو جمع کیا جاتا ہے، اسلئے تراپڑھنے کے معانی میں استعمال ہوتا ہے اور قرآن سے مراد پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ قرآن پاک کا یہ نام خود قرآن میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ وَأَوْحِيَ إِلَيْنَا هَذَا الْقُرْآنُ لَا نُذَرِّكُمْ بِهِ وَمَنْ أَبْكَغَ (الانعام) اے پیغمبر! آپ کہ دیں کہ یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے میں تمہیں اور جس جس تک یہ پہنچے انہیں ڈراؤں اِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ اَقْوَمُ (نبی اسرائیل) یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے۔ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (یوسف) ہم نے یہ قرآن عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔

فرقان

قرآن پاک کا ایک نام فرقان بھی ہے۔ فرقان کا معنی 'فصلہ کرنے' والی کتاب ہے۔ قرآن پاک حق و باطل، ایمان و کفر اور صحیح اور غلط کے درمیان فیصلہ کرتا ہے۔ یہ نام سورۃ فرقان میں اس طرح آیا ہے تَبٰرَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهِ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا بَارِكْتَ

وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل فرمایا تاکہ وہ تمام لوگوں کے لیے آگاہ کرنے والا اور ڈرانے والا بن جائے۔

تذکرہ کا معنی یاد دہانی ہے۔ قرآن پاک تمام عہد و سپان اور دیگر ضروری باتیں انسان کو یاد دلاتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے تذکرہ کے نام سے پکارا ہے جیسے اِنَّ هٰذِهِ تَذٰکِرَةٌ (المنزل) یہ قرآن یاد دہانی ہے۔ آجکل کی اصطلاح میں تذکرہ کا لفظ عربی میں ٹکٹ پر بھی بولا جاتا ہے، تاہم اس کا اصل معنی یاد دہانی ہی ہے۔

قرآن پاک ہدایت بھی ہے جیسے فرمایا کہ یہ قرآن ماہ رمضان میں نازل کیا گیا جو کہ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰى (البقرہ) لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں۔ یہ قرآن تمام عالمین اور بالخصوص انسانوں کے لیے ہدایت ہے۔ ہدایت کا معنی راہنمائی ہے اور یہ زندگی کے ہر موڑ پر راہنمائی کرتا ہے کہ لوگ اپنی مشکلات کو کس طرح حل کریں اللہ تعالیٰ نے قرآن کو نور بھی فرمایا وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (النساء) ہم نے تمہاری طرف کھلی روشنی اتاری۔ نور کا لفظی معنی روشنی ہے اور یہ اللہ کی صفت بھی ہے۔ نور کا اطلاق اس مجازی روشنی (الہند) پر ہوتا ہے اور روحانی روشنی پر بھی جس کے ذریعے انسان کی روح اور قلب منور ہوتے ہیں۔ اُن کے شکوک و شبہات رفع ہو کر پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔

قرآن پاک کو بصائر سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اٰذَا بَصَّآ بِرُءُوسِ رَبِّكُمْ (الاعراف) یہ تمہارے رب کی طرف سے بصائر ہیں۔ بصائر بصیرت کی جمع ہے جس سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جو دل میں روشنی پیدا کرتی ہے۔ بصارت آنکھ

کی روشنی کو کہتے ہیں۔ جبکہ بصیرت دل کی روشنی کو۔

روح

قرآن پاک کا ایک نام روح بھی ہے۔ وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا (الشوری) اور اس طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح نازل فرمائی۔ عام اصطلاح میں روح اُس چیز کا نام ہے کہ جب کسی جاندار میں داخل ہوتی ہے تو اُس کو زندگی نصیب ہوتی ہے۔ اور جب روح الگ ہو جاتی ہے تو انسان یا کوئی بھی جاندار مردہ ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک اس لحاظ سے روح ہے کہ اس کے ذریعے سے انسانوں کو روحانی زندگی نصیب ہوتی ہے اور وہ گمراہی سے نکل کر روشنی میں آ جاتے ہیں۔

رحمت

قرآن پاک رحمت بھی ہے سورۃ نحل میں ہے وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب اتاری جو ہر چیز کی وضاحت کرتی ہے اور یہ ہدایت اور رحمت ہے۔ رحمت کا معنی مہربانی ہوتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ قرآن پاک کو اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اُن کے شامل حال ہوتی ہے۔ اس لیے قرآن کو رحمت سے موسوم کیا گیا ہے۔

شفاء

قرآن حکیم کو شفا بھی کہا گیا ہے وَنُزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ (نبی اسیائیل) ہم نے قرآن پاک کو بطور شفا اور رحمت نازل فرمایا اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ جس طرح مادی دوائیں جسمانی بیماریوں کے لیے شفاء کا باعث ہوتی ہیں اسی طرح قرآن پاک روحانی بیماریوں کے لیے شفا ہے۔ ترمذی شریف اور ابن ماجہ شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا عَلَيَّكُمْ بِالشِّفَائِينَ

یعنی شفاء کے لیے دو چیزوں کو لازم پکڑو۔ ایک قرآن پاک ہے جو روحانی بیماریوں سے شفا دیتا ہے اور دوسری شہد ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی جسمانی بیماریوں کی شفاء رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چھوٹی سی مکھی کے پیٹ میں نہایت پاکیزہ اور مصطفیٰ شہد پیدا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات مکھی کی فطرت میں ڈال دی کہ وہ ہمیشہ پاک چیز، خوشبودار پھول اور صاف ستھری غذا پر بیٹھتی ہے۔ یہ قانون قدرت ہے کہ شہد کی مکھی گندگی پر نہیں بیٹھتی۔ اگر کوئی مکھی نجاست پر بیٹھی پائی جائے تو سخت سزا کی مستحق ٹھہرتی ہے۔ جن لوگوں نے جانوروں اور کٹرے مکوڑوں پر تحقیقات کی ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ شہد کی مکھیوں کی سردار ملکہ مکھی ہوتی ہے جسے عربی زبان میں لعسوب کہتے ہیں۔ اگر کوئی مکھی گندگی میں ملوث پائی جائے تو فوراً گرفتار کر کے ملکہ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اگر اُس کے خلاف جرم ثابت ہو جائے تو ملکہ کے حکم سے اُس کا سر تن سے جدا کر دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے شہد کو نہایت ہی پاکیزہ چیز فرمایا ہے۔ یہ مکھیاں اپنے بچوں کو بھی کھلاتی اور انسان بھی اس سے مستفید ہوتے ہیں بہر حال حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جسمانی بیماریوں کے لیے شہد کو لازم پکڑو اور روحانی بیماریوں کے لیے قرآن کریم کو لازم پکڑو، یہ دونوں چیزیں باعثِ شفا ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کو موعظت بھی فرمایا ہے جس کا معنی اوعظ و نصیحت والی باتیں ہیں۔ اس کے ذریعے انسانوں کی ہدایت دُور ہو کر اُن میں اچھی باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

قَهْرُ الْمَدَارِكِ الظُّلْمَانِيَّةِ بِأَنْوَارِ
وَعِظَ كَالْمَعْنَى أَيْ هُوَ أَنَّ الْإِنْسَانَ ذَهَنٌ مِثْلَ تَارِيخِي
وَالْمَعَارِفِ الْقُدْسَانِيَّةِ
والی باتوں کی جگہ روشنی والی پیدا کی جائیں۔

قصے کہانیاں، الٹی سیدھی باتیں فضول محض ہے۔ وعظ و نصیحت بڑی بلند چیز ہے اسی لیے اللہ نے قرآن کا نام مَوْعِظَت بھی رکھا ہے۔

تبیان

قرآن حکیم کا نام تبیان بھی ہے۔ بیان تو عام وضاحت STATEMENT کے لیے استعمال ہوتا ہے مگر تبیان کا معنی بہت زیادہ وضاحت ہے وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل) ہم نے آپ پر ایسی کتاب اتاری ہے جو ہر چیز کی خوب وضاحت کرتی ہے۔ وہ تمام باتیں جن کا تعلق عقیدے سے ہے یا عمل سے، اخلاق سے ہے یا ذہنی بالیدگی سے، فکر کی بندی سے ہے یا اللہ کی معرفت سے، عالم بالا سے ہے یا برزخ اور حشر سے، اُن تمام کی وضاحت قرآن پاک میں موجود ہے، اس لیے اس کا نام تبیان رکھا گیا ہے۔

قیم

قرآن پاک کا ایک نام قیم بھی ہے۔ قِيَمًا لِّنَّذِرٍ بَاسًا شَدِيدًا مِّنْ لَّدُنْهُ (الکہف) اللہ تعالیٰ نے ایسی کتاب نازل کی ہے جو قیم ہے تاکہ ڈرائے اس سخت عذاب سے جو اللہ کی طرف سے آنے والا ہے۔ قیم کا معنی انگریزی اور حفاظت کرنے والی بھی ہے۔ یہ کتاب نگرانی کرتی ہے اور غلط چیزوں کو بالکل جدا کر دیتی ہے۔ قیم کا معنی الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ (النساء) میں بھی ملتا ہے یعنی مرد عورتوں کے نگران اور محافظ ہیں۔ عربی زبان میں "قیم جماعت" سیکرٹری کو کہتے ہیں، اُس کا نام بھی تمام امور کی نگرانی ہوتا ہے۔

احسن
الحديث

قرآن پاک نے اپنا ہم احسن الحديث بھی بتایا ہے۔ اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ (الزمر) اللہ نے سب سے اچھی بات نازل فرمائی۔ وہ شہنشاہ مطلق اور ملک الملوک ہے، اُس کا کلام بھی بے مثل اور بے مثال ہے، اس لیے قرآن کو احسن الحديث

فرمایا گیا ہے۔ خطبہ جمعہ میں بھی آپ سنتے رہتے ہیں أَحْسَنَ الْكَلَامِ كَلَامُ
اللّٰهِ سب سے بہتر کلام، اللہ کا کلام ہے۔ اس سے بہتر کائنات میں کوئی کلام نہیں
لہذا یہ احسن الحدیث بھی ہے۔

مثنیٰ کا معنی دہرائی جانے والی کتاب جس کا بکثرت تکرار ہوتا ہے۔ قرآن
پاک کا یہ نام خود قرآن پاک میں بھی آیا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا سورۃ زمر میں ہے
اللّٰہ نے بہترین بات نازل فرمائی جو کہ کتباً مُتَشَابِہًا مَّثَانِیً جس کی
آئینیں ملتی جلتی ہیں اور دہرائی جاتی ہیں۔

قرآن پاک کا ایک نام برہان بھی ہے۔ برہان دلیل کو کہتے ہیں۔ ہر دعویٰ
کی کوئی نہ کوئی دلیل ہوتی ہے، اسی طرح قرآن حکیم بھی بیشمار دلائل پر مشتمل ہے۔
توحید کی تائید میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے دلائل بیان فرمائے ہیں، اسی طرح
شرک کے رد میں دلائل کی ایک لمبی فہرست موجود ہے۔ وقوع قیامت کے
متعلق مختلف طریقوں سے بے شمار دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ چنانچہ
قرآن کریم کو برہان بھی کہا گیا ہے۔ سورۃ نساء میں ہے قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ
مِّنْ رَبِّكُمْ تحقیق تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل آچکی ہے

قرآن پاک کو الکتاب کا خطاب بھی دیا گیا ہے۔ سورۃ بقرہ کی ابتدا ہی اسی
لفظ سے ہوئی ہے ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ بِلَا شَبْہِیْ وَہ کتاب ہے۔ سورۃ الحج
میں ہے تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُّبٰیِّنٍ یہ الکتاب اور قرآن مبین
کی آئینیں ہیں۔ دراصل الکتاب کہلانے کی حقہ صرف وہی کتاب ہو سکتی ہے
جس کی حیثیت بلند و بالا ہو اور جو عجیب اور نقص سے پاک ہو اور یہ شرف صرف
قرآن پاک کو ہی حاصل ہے۔ بعض نے مجازی عنوان سے بات اس طرح

سمجھائی ہے ” ایں کتاب نیست چیزے دیگر است ” دنیا میں لا تعداد مضامین پر
 مشتمل کتابیں موجود ہیں، تاریخ، جغرافیہ، سائنس، ٹیکنالوجی، نفسیات، معاشیات،
 سیاسیات، دینیات، مگر ہر کتاب میں علمی دلائل کی کوئی نہ کوئی کمی ضرور ہوگی۔ یہ صرف
 صرف قرآن پاک کو ہی حاصل ہے کہ اس میں کوئی کمی نہیں ہے یہی الکتاب ہے۔
 ذکر قرآن پاک کا ایک نام ذکر بھی ہے۔ ذکر دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ذکر
 کا ایک معنی وہ علم ہے جس کے ذکر سے انسان میں یاداشت پیدا ہوتی ہے
 اور دوسرا ذکر وہ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے
 سورۃ احزاب میں ہے۔ اے ایمان والو! اذکروا اللہ ذکراً کثیراً
 اپنے اللہ کا کثرت سے ذکر کرو۔ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ حضور
 علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اَکْثَرُوا ذِکْرَ اللّٰهِ حَتّٰی یَقُولُوْا هَجْنُوْنَ
 اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ لوگ کہیں کہ یہ دیوانہ ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ
 نے قرآن پاک کو ذکر کا لقب بھی دیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الحج میں آتا ہے اِنَّا
 نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ یہ ذکر ہم نے ہی اتارا اور ہم
 ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

مسائل تلاوت

سب سے پہلے عظمتِ قرآنِ پاک کا کچھ بیان ہوا تھا۔ اس کے بعد اعوذ باللہ اور بسم اللہ کے متعلق کچھ مختصر طور پر عرض کیا تھا۔ پھر قرآنِ حکیم کے اسمائے مبارکہ کی مختصر تشریح پیش کی تھی اور اب آج قرآنِ پاک کی تلاوت سے متعلق کچھ مسائل کا بیان ہو گا۔ اس کے بعد طریقہ تفسیر کے متعلق کچھ عرض کیا جائے گا اور پھر انشاء اللہ سورۃ فاتحہ کی فضیلت بیان ہوگی اور اس کے الفاظ کی تشریح عرض کی جائے گی۔

تلاوت
قرآن کا اجر

اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ ذرائعِ علم میں سے اہم ترین ذریعہ وحی الہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی ذریعہ سے مکمل علم قرآنِ پاک کی صورت میں نازل فرمایا ہے جو کہ پوری انسانیت بلکہ پوری کائنات کے لیے ہدایت اور راہنمائی کا ذریعہ ہے۔ قرآن کریم کو سیکھنا اور پھر اس پر عمل کرنا تو فرض ہے، تاہم اللہ تعالیٰ نے اس کی تلاوت کا مسئلہ بھی خود اسی میں ذکر فرمایا ہے ارشادِ ربانی ہے اُتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ (العنکبوت) جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت کریں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ الْكِتَابَ يَكُونُونَ حَقًّا تِلَاوَتِهِ (البقرہ) جو صادق الایمان لوگ ہیں وہ قرآنِ پاک کی اس طرح تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے۔ یہی لوگ حقیقت میں ایمان والے ہیں اور ایسے ہی لوگ اجر کے زیادہ مستحق ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ جو شخص قرآنِ پاک کی

ہے کہ تلاوت قرآن کا ثواب بھی پہنچے گا۔ فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن ایک نیک عمل ہے اور نیک عمل کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے کہ اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔ جس طرح صدقہ خیرات دوسرے کے ساتھ احسان ہے، اسی طرح تلاوت بھی احسان ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اُمید ہے کہ تلاوت کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔ تلاوت کے بعد تلاوت کرنے والا اس طرح دعا کرے کہ جو کچھ میں نے تلاوت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس کا اجر اپنے والدین، اساتذہ، کسی بزرگ، عزیز رشتہ دار، دوست یا پیغمبر علیہ السلام کی ذات مبارکہ جس کو بھی چاہے ہبہ کر سکتا ہے۔

نفل عبادت
کا ثواب

فقہ حنفی کا یہ مشہور و معروف مسئلہ ہے کہ ہر ایماندار شخص اپنے نفل عمل میں سے جتنا چاہے دوسرے کو ہبہ کر سکتا ہے۔ جہاں تک فرائض، واجبات اور سنن کا تعلق ہے ان عبادات کی ضرورت تو خود انجام دہندہ کو ہوتی ہے۔ ایسے اموی ادائیگی کے لیے وہ خود جواب دہ ہے، لہذا ان کو تو ہبہ نہیں کیا جاسکتا، البتہ نفل عبادات میں دوسروں کو ہبہ کرنے کی اجازت ہے۔ اسی مسئلہ کے تحت یہ ضمنی مسئلہ بھی آتا ہے کہ فرائض کے علاوہ تلاوت قرآن کا ثواب بھی دوسرے کو بخش سکتا ہے۔ کوئی شخص دو چار رکعت نفل نماز ادا کر کے یوں دعا کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس کے والدین یا دیگر اقرباء کو پہنچائے۔ اسی طرح روزہ کا مسئلہ بھی ہے فرض روزہ تو انسان خود اپنے لیے رکھے گا، اس کا ثواب دوسروں کو نہیں پہنچا سکتا البتہ نفل روزے کا ثواب ایسا ہی کیا جاسکتا ہے۔ اگر کسی مرنے والے کا فرض روزہ رہ گیا ہے تو اس کی تلافی اس کا کوئی عزیز نفل روزے کے ذریعے نہیں کر سکتا اگر

کسی شخص کا فرضی یا نذر کا روزہ چھوٹ جائے تو حدیث شریف میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ اُس کا سر پرست اسکی طرف سے روزے کا فدیہ ادا کرے۔ ہر روزے کا فدیہ صدقہ فطر کے مطابق دو سیر گندم یا اُس کی قیمت کے برابر ہے۔ ہر نماز کا بھی یہی فدیہ ہے۔ اگر کسی مرنے والے کی نماز ضائع ہو جائے۔ تو اُس کے وارثان ہر نماز کے بدلے صدقہ فطر کے برابر فدیہ ادا کریں۔ اگر مرنے والا وصیت کر گیا ہے تو پہلے اُس کے مال میں سے فدیہ ادا کیا جائے اور پھر باقی مال تقسیم ہوگا اور اگر وہ خود وصیت نہیں کر گیا تو اُس کے عزیز یا دوست احباب فدیہ ادا کریں۔ بہر حال امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک نفلی نماز، روزہ یا تلاوت کا ثواب کسی دوسرے کو ایصال کرنا درست ہے اور بالعموم اسی پر عمل کیا جاتا ہے۔ قبرستان جانے والے کو بھی یہی تعلیم دی جاتی ہے کہ سورۃ فاتحہ اور تین دفعہ قل شریف پڑھے یا سورۃ یٰسین پڑھے اور اس کا ثواب اموات کو بخش دے یہ جائز ہے۔

قرآن کا
مُجھول جانا

بعض لوگوں پر نسیاں کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ قرآن پاک پڑھنے کے بعد مُجھول جاتے ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس شخص کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آئے وہ یہ نہ کہے کہ میں نے قرآن پاک مُجھلا دیا ہے اس میں زیادتی پائی جاتی ہے اور ایسا کہنا ناپسندیدہ ہے ایسے شخص کو نہایت عاجزی کے ساتھ کہنا چاہیے کہ مجھ سے قرآن پاک مُجھلا دیا گیا ہے۔ اس میں عاجزی پائی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہی پسند ہے۔

ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ قرآن کریم کو اپنی کمائی کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ امام بخاریؒ بہت بڑے محدث ہوئے ہیں۔ صحیح بخاری کے علاوہ

تلاوت بطور
پیشہ

۱۔ بخاری ص ۲۶۲، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ص ۵۹، ۲۔ ہایہ ص ۲۲۲

۳۔ بخاری ص ۵۳، مسلم ص ۲۶۸، ۴۔ ہایہ ص ۳۰۳

آپ کی اور بھی بہت سی تصانیف ہیں مثلاً ادب المفرد، تاریخ صغیر، تاریخ اوسط
تاریخ کبیر وغیرہ۔ تاریخ کبیر نو جلدوں پر مشتمل ضخیم کتاب ہے۔ آپ نے اس کتاب
میں روایت نقل کی ہے جسکی سند بھی قابل اعتبار ہے۔ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص
کسی ظالم آدمی کے ہاں اس نیت سے قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے کہ اس کے
پاس میری وقعت ہو جائے یا یہ مجھے اچھا سمجھنے لگے، تو ایسے شخص کو ہر حرف کے
بدلے دس دس نیکیوں کی بجائے دس دس لغتیں پڑتی ہیں۔ اس نے اللہ کی کتاب
کی اس قدر ناقدری کی کہ ایک ظالم آدمی کی خوشنودی کے لیے قرآن پاک کی تلاوت
کی ہے۔ یہ قرآن پاک کو پیشہ بنانے کے مترادف ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے
کہ ایسا دور بھی آئے گا جب لوگ قرآن کریم کو کھانے پینے کا ذریعہ بنالیں گے۔ مختلف
رسومات کی آرٹیں قرآن پاک کھانے پینے کا ذریعہ بن جائیں گے۔ یہ درست نہیں ہے۔
قرآن پاک کی تلاوت کے بعد دعا کرنا مستحب ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت
ہے کہ جب آپ قرآن پاک اول تا آخر ختم کرتے تو اپنے گھبر والوں کو جمع کر کے
دُعا مانگتے تھے۔ یہ دُعا کی قبولیت کا موقع ہوتا ہے۔ تراویح میں ختم قرآن پر بھی دُعا
کا اہتمام کرنا چاہیے کہ یہ بھی مستحب ہے، قرآن پر ایمان لانا، اس کے مطابق عقیدہ رکھنا
اور اس کے اوامر و نواہی پر عمل کرنا تو ہر حال ضروری ہے مگر اس کی خالی تلاوت
بھی بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔

ختم قرآن
پر دُعا

قرآن پاک
کا سننا

جس طرح قرآن پاک کا پڑھنا مسنون ہے اسی طرح اس کا سننا بھی مستحب
ہے۔ جو شخص خود نہیں پڑھ سکتا، وہ دوسرے سے سُنے۔ ایک موقع پر حضور علیہ السلام
منبر پر تشریف فرما تھے۔ آپ نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے فرمایا، قرآن پڑھو۔

انہوں نے عرض کیا، حضور! قرآن پاک آپ پر نازل ہوا ہے، آپ پڑھتے ہیں، اور ہم لوگ سنتے ہیں مگر اب آپ ہمیں پڑھنے کے لیے فرمائیے ہیں۔ فرمایا اِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَ مِنْ غَیْرِیْ یعنی میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ دوسرے کی زبان سے قرآن کریم سنوں۔ گویا جس طرح خود پڑھنا اعلیٰ درجے کی نیچی ہے، اسی طرح سننا بھی پسندیدہ ہے۔ حضور علیہ السلام کے حکم کی تعمیل میں حضرت عبداللہ بن مسعود نے سورۃ نساء کی تلاوت شروع کی اور کئی رکوع پڑھ گئے۔ پھر جب آپ اس آیت پر پہنچے فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِیدٍ وَجِئْنَا بِکَ عَلٰی ہٰؤُلَاءِ شَہِیْدًا تو دیکھا کہ حضور علیہ السلام کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ بسند حضرت ابن مسعودؓ خاموش ہو گئے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ خود حضور علیہ السلام نے تلاوت بند کر دینے کا اشارہ فرمایا۔ بہر حال جب کوئی دوسرا شخص پڑھ رہا ہو تو قرآن کریم کو سننا چاہیے کہ یہ بھی ایک بہتر بات ہے۔

قرآن پاک کو اچھے لہجے اور خوش السحانی سے پڑھنا بھی مستحب اور اُس کی ترغیب دی گئی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ عربوں کے لہجہ پر اچھی آواز سے تلاوت کرنی چاہیے۔ آجکل بعض لوگ شعرو شاعری اور عشقیہ گانوں کے طریقے پر قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں جو کہ مکروہ تحریمی اور گناہ کا باعث ہے اُسے فقہائے کرام ناجائز قرار دیتے ہیں۔

تلاوت قرآن پاک کے ضمن میں یہ بھی ایک مسئلہ ہے کہ جس جگہ پر تلاوت کی جائے وہ صاف ستھری اور پاکیزہ ہونی چاہیے۔ ارد گرد کا ماحول بہتر ہو مسجد تو بہر حال پاکیزہ مقام ہوتا ہے۔ اگر گھر میں بھی تلاوت کرے تو ایسی جگہ بیٹھے جہاں

تلاوت میں
خوش السحانی

قریب گندگی نہ ہو، بدبو والی جگہ پر قرآن کی تلاوت سو وادب ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ تلاوت نہایت عاجزی کے ساتھ کرے اور ممکن ہو تو قبلہ رو ہو کہ تلاوت کرے قاری کے اپنے جسم اور لباس کی پاکیزگی بھی ضروری ہے۔ یہ مسئلہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ قرآن پاک کی افضل ترین تلاوت وہ ہے جو نماز کے دوران کی جائے۔ ایسی تلاوت کا ثواب سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت سے متعلق یہ چند ایک ضروری مسائل تھے جو میں نے عرض کر دیے ہیں۔

فضائل قرآن اور اصول تفسیر

رابطہ مضامین

قرآن کریم کے بارے میں چند ضروری مسائل کل عرض کیے تھے۔ اب قرآن پاک کی فضیلت بحیثیت مجموعی اور اس کے طریقہ تفسیر کے متعلق کچھ باتیں عرض کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد سورۃ فاتحہ کی فضیلت اور اس کے الفاظ کی تشریح وغیرہ بیان ہوگی۔

اشرف کتاب

امام ابن کثیرؒ آٹھویں صدی ہجری کے بڑے پائے کے مفسر قرآن ہوئے ہیں۔ آپ نے بخاری شریف کی شرح بھی لکھی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے تاریخ کی بڑی مستند کتاب لکھی ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آٹھویں صدی تک کی تاریخی روایات سند کے ساتھ بیان کی ہیں۔ قرآن پاک کی تفسیر کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم تمام کتابوں سے اشرف کتاب ہے۔ شرافت اور عزت میں اس کے برابر کوئی دوسری کتاب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں فرمایا ہے **اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ (الزُّمَرِ) اللَّهُ نَزَّلَ سُبْحَانَ** بہتر بات نازل فرمائی ہے۔ حدیث کا لغوی معنی بات ہے۔ سورۃ مرسلات میں ہے **فَبِأَيِّ حَدِيثٍ مَّ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ** اگر خدا تعالیٰ کے قرآن میں نازل کردہ بات پر ایمان نہیں لاؤ گے تو پھر اس کے بعد کون سی بات اور کون سی کتاب نازل ہونے والی ہے جس پر تم ایمان لاؤ گے۔ قرآن کریم ہی تمام کتابوں سے اشرف کتاب ہے۔

اشرف فہرستہ

اشرف زمین

اشرف حسین

جس ماہ مبارک میں یہ قرآن نازل ہوا، وہ مہینہ بھی سب مہینوں سے افضل ہے
شَہْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (البقرہ) یہ ماہ رمضان ہے جس میں

قرآن پاک کا نزول ہوا اور یہ افضل ترین مہینہ ہے۔

اشرف رات

جس رات میں قرآن پاک نازل ہوا وہ رات بھی تمام راتوں سے افضل ہے
 اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيْ كَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ هُمْ نَاسُ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ نَزَلَ مِنْ رَبِّكَ
 كَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفٍ شَهْرٍ ۚ اِیسی بابرکت رات ہے کہ اس ایک
 رات کی عبادت ہزار مہینوں سے افضل ہے چنانچہ قرآن کریم کو یہ شرف بھی
 حاصل ہے کہ اُس کا نزول سب سے اشرف رات میں ہوا۔

امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ فَكُلُّ مِنْ كُلِّ الْوُجُوهِ پس قرآن پاک
 کی فضیلت تمام وجوہ سے مکمل ہے جس اعتبار سے بھی دیکھا جائے قرآن پاک
 شرف اور فضیلت رکھنے والی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اشرف فضائل
 کو قرآن پاک پر ختم کر دیا ہے۔

تفسیر القرآن
 بالقرآن

قرآن پاک کی تفسیر کے سلسلے میں بعض چیزیں ذہن میں رکھنا ضروری ہیں۔
 سلف صالحین کا طریق کاریہ ہے کہ وہ قرآن پاک کی تشریح اور وضاحت سب سے
 پہلے خود قرآن پاک میں تلاش کرتے ہیں۔ چنانچہ امام شافعیؒ لُحُوْ اِیْکِ مُسْئَلِہِ کے متعلق تردد
 تھا کہ آیا یہ قرآن میں ہے یا نہیں۔ انہوں نے تین سو مرتبہ قرآن کی ورق گردانی کی، تب
 جا کر انہیں وہ آیت معلوم ہو گئی جس سے مسئلہ کا حل نکل آیا۔ تاہم مسئلہ کا استخراج وہی لوگ
 کر سکتے ہیں جو صاحب علم ہوتے ہیں، جو کثرت سے کتابیں پڑھتے ہیں ان کے
 حافظے قوی ہوتے ہیں اور وہ تمام مشکلات سے بھی واقف ہوتے ہیں۔ بہر حال
 قرآن پاک کی تفسیر کا پہلا اصول یہ ہے کہ اُسے خود قرآن میں تلاش کرو، اگر ایک جگہ اجمال
 ہے تو دوسری جگہ تفصیل سے مل جائے گا یا اگر ایک مقام پر اصول بیان ہوا ہے تو

دوسری جگہ کچھ وضاحت بھی موجود ہوگی۔

تفسیر السنۃ

اگر کوئی مسئلہ قرآن حکیم سے پورے طور پر واضح نہ ہو تو پھر اُس کی تشریح کیلئے سنت سے رجوع کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس بات کا پابند کیا گیا ہے لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل) کہ جو چیز اتاری گئی ہے آپ اُس کی وضاحت کر دیں۔ امام ابن تیمیہؒ حنبلی مسلک کے بہت بڑے امام ہوئے ہیں، آپ مجاہد اور غازی بھی تھے، وہ فرماتے ہیں فَالْسُّنَّةُ تُبَيِّنُ الْقُرْآنَ وَتُفَسِّرُهُ یعنی سنت ایسی چیز ہے جو قرآن پاک کو بیان کرتی ہے اور اُس کی تفسیر کرتی ہے۔ امام شافعیؒ اور ہمارے اکابرین میں امام شاہ ولی اللہؒ

اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے صاف لکھا ہے کہ حنبلی بھی صحیح احادیث ہیں، وہ قرآن کریم کی شرح ہیں، قرآن پاک کے الفاظ وحی علی ہیں، لیکن جو باتیں حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے بیان ہوئی ہیں، وہ وحی خفی ہیں، بہر حال قرآن پاک کے بعد تفسیر کا دوسرا ذریعہ حدیث ہے مطلوبہ تفصیل وہاں سے تلاش کی جائیگی۔

معاذ بن جبلؓ اور اجتہاد

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف فوجیتوں کے ساتھ روانہ فرمایا۔ آپ اس علاقہ کے حاکم بھی تھے اور آپ کو مبلغ اسلام کی حیثیت بھی حاصل تھی۔ روانگی کے وقت حضور علیہ السلام نے حضرت معاذؓ سے پوچھا کہ جب تمہارے سامنے مقدمات پیش ہوں گے تو اُن کا فیصلہ کیسے کرو گے۔ عرض کیا، حضور! سب سے پہلے میں مسئلہ کا حل قرآن پاک میں تلاش کروں گا اگر وہاں سے راہنمائی حاصل ہو گئی تو اُس کے مطابق فیصلہ کروں گا اور وہاں کوئی چیز صراحتاً نہ مل سکی تو پھر آپ کی سنت میں دیکھوں گا اور اگر وہاں بھی نہ پاسکاٹھم اجتہاد

پھر میں اجتہاد کروں گا۔ اور جو بات قرآن و سنت کے مطابق معلوم ہوگی، اُس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ یہ سن کر حضور علیہ السلام نے فرمایا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللّٰهِ لِمَا يَحِبُّ وَيَرْضَى اللّٰهُ تَعَالٰی کا شکر ہے کہ اُس نے رسول کے نیچے ہوئے کو اُس چیز کی توفیق دی ہے جس کو وہ پسند کرتا ہے اور جس پر راضی ہوتا ہے گویا یہ اصول وضع ہو گیا کہ جب کوئی چیز قرآن و سنت سے نہ مل سکے تو پھر ایسا مسئلہ اہل علم اجتہاد کے ذریعے حل کریں گے۔

امام ابو حنیفہ
کا طریقہ تفسیر

امام ابو حنیفہ کا طریقہ تفسیر یہی ہے کہ وہ ہر مسئلے میں سب سے پہلے کتاب اللہ کو دیکھتے ہیں۔ اگر وہاں صراحت نہیں ملتی تو پھر حدیث رسول میں تلاش کرتے ہیں۔ اگر حدیث میں بھی کوئی چیز نہ ملے تو پھر اقوال صحابہؓ کو دیکھتے ہیں۔ اگر صحابہ کرامؓ کسی مسئلہ پر متفق ہوں تو آپ اس کو اختیار کر لیتے ہیں اور اگر صحابہؓ میں اختلاف ہو تو پھر امام صاحب اقوال صحابہؓ میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگر صحابہؓ کے اقوال سے بھی معاملہ واضح نہ ہو تو پھر تابعین کے متعلق آپ فرماتے ہیں هُمْ رِجَالٌ وَنَحْنُ رِجَالٌ وہ بھی اس میدان کے مرد ہیں اور ہم بھی اس میدان کے مرد ہیں چونکہ امام صاحب خود صحابہؓ کے تابعین میں سے ہیں، اس لیے آپ فرماتے ہیں کہ ہم خود اجتہاد کمرے کے مسئلے کا حل دریافت کریں گے، تاہم آپ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع صحابہؓ کو اولیت دیتے ہیں اور چوتھے نمبر پر اجتہاد کو اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ اصول فقہ والوں نے شریعت کے چار ہی دلائل بیان کیے ہیں یعنی اللہ کی کتاب، نبی کی سنت، صحابہ کا اتفاق اور پھر اجتہاد۔

خود امام صاحب نے ایک علمی کمیٹی بنا رکھی تھی جس میں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، داؤد طائیؒ اور عبد اللہ بن مبارکؒ جیسے بڑے بڑے لوگ شامل تھے جب کوئی حل طلب مسئلہ

آتا تو اس چالیس رکنی کمیٹی کے سامنے پیش ہوتا۔ امام صاحب بھی مجلس میں شامل ہوتے ، متعلقہ مسئلہ پر سب بحث مباحثہ ہوتا اور پھر راجح امر کو لکھ لیا جاتا۔ امام صاحب اور آپ کے شاگردان نے جو مسائل اجتہاد کے ذریعے حل کیے ہیں ان کی تعداد بارہ لاکھ سے کم نہیں ۔

عبداللہ ابن مسعودؓ

کسی معاملہ میں صحابہؓ کے درمیان اختلاف کی صورت میں بعض کو بعض پر ترجیح دی جاتی ہے۔ مثلاً جہاں کہیں خلفائے راشدینؓ میں سے کسی کا قول آجائے گا۔ وہ قابل ترجیح ہوگا۔ کیونکہ ان کے بارے میں خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ ان کی عُدَّت کو مضبوطی سے پکڑو کیونکہ یہ ہدایت اور استقامت پر ہیں۔ چاروں خلفائے راشدین کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بات قابل تسلیم ہوگی کیونکہ انہوں نے قرآن پاک کا اکثر حصہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے براہ راست سیکھا تھا۔ آپ ہی کی زبان مبارک سے قرآن پاک کی تشریح سُنی تھی، چنانچہ امام احمدؒ نے بھی خلفائے راشدین کے بعد ابن مسعودؓ کا ذکر کیا ہے۔ خود آپ کا دعویٰ تھا وَالَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ مَا نَزَلَتْ مِنْ آيَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللَّهِ إِلَّا وَأَنَا أَعْلَمُ فِي مَنْ نَزَلَتْ وَآيِنَا نَزَلَتْ بِمَعْنَى اُس ذات کی قسم ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں قرآن کریم کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر میں جانتا ہوں کہ کس کے حق میں اور کس جگہ نازل ہوئی فرماتے تھے وَكَوْاْ اَعْلَمُ اَحَدًا اَعْلَمُ بِكِتَابِ اللَّهِ اَكْمَ اَعْلَمُ بِمَعْنَى اے مجھے علم ہو کہ قرآن کو مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی ہے اور میں اس تک سواری پر پہنچ سکتا ہوں تو یقیناً سواری ہو کہ اس کے پاس جاتا اور اس سے علم سیکھنے کی کوشش کرتا۔ آپ کا یہ بھی قول ہے کہ ہم جماعت صحابہؓ کی حالت یہ تھی کہ جب دس آیتیں نازل ہوتی تھیں تو ہم آگے

۱۔ ترمذی ص ۱۶۶، کتاب العلم ۲۔ تفسیر ابن کثیر ص ۳۱

۳۔ تفسیر ابن کثیر ص ۳۱

نہیں بڑھتے تھے جب تک ان کے معافی اور ان پر عمل کرنے کے طریقے کو نہ جان لیتے اور پھر ہر قابل عمل حکم پر عمل کرتے۔ آپ کے الفاظ اس طرح ہیں۔ حَتَّىٰ يَعْلَمُوا بِمَا فِيهَا مِنَ الْعَمَلِ فَتَعْلَمَنَا الْقُرْآنَ وَالْعَمَلَ جَمِيعًا۔

عبداللہ بن عباسؓ

صحابہ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی شخصیت بھی بہت مشہور ہے خود حضور علیہ السلام نے آپ کے متعلق دعا کی تھی اَللّٰهُمَّ عَلِّمَهُ الْكِتَابَ وَاللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ اے اللہ اس بچے کو کتاب کا علم سکھا اور اسے دین میں سمجھ عطا کر حضور علیہ السلام کے وصال کے وقت حضرت ابن عباسؓ کی عمر صرف گیارہ یا بارہ برس تھی، تاہم آپ دینی معاملات میں بڑے متجربس تھے اکثر حضور کے گھر میں اپنی خالہ کے ہاں قیام کرتے تاکہ رات کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعمال کا مشاہدہ کر سکیں۔ ایک دفعہ حضور قضاے حاجت کے لیے تشریف لے گئے، حضرت ابن عباسؓ نے آپ کے لیے پانی کا لٹوار کھد دیا۔ حضور واپس تشریف لائے تو دریافت کیا یہ لٹوار کس نے رکھا ہے آپ کو بتایا گیا کہ ابن عباسؓ نے رکھا ہے آپ نے اس موقع پر دعا کی اَللّٰهُمَّ عَلِّمَهُ الْحِكْمَةَ اے اللہ! اس کو حکمت اور دانائی سکھا دے۔ اس کو کتاب اللہ کا علم سکھا دے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور اللہ نے آپ کو علم کا وافر حصہ عطا فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں تھوڑا عرصہ گورنری پر متمکن رہنے کے علاوہ ساری عمر قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے رہے حضرت مجاہدؒ جیسے آپ کے بعض شاگرد ایسے بھی ہیں جنہوں نے آپ سے تیس مرتبہ قرآن پاک اول تا آخر سیکھا اور پوری تفسیر تشریح سے مستفید ہوئے۔ خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو

نَعَمْ تَرْجَمَانُ الْقُرْآنِ کا خطاب دیا ہے۔ یعنی آپ قرآن پاک کی بہترین ترجمانی کرنے والے ہیں۔ بہر حال حضرت ابن مسعودؓ کے بعد حضرت ابن عباسؓ کی تشریح دیکھی جائے گی کہ انہوں نے قرآن کی کسی آیت کا کیا مطلب لیا ہے۔

تفسیر بالرائے
حرام ہے

تفسیر بالرائے یعنی محض اپنی ذاتی رائے سے قرآن پاک کی تفسیر کرنا حرام ہے۔ اگر کوئی شخص ایسی رائے رکھتا ہے جو قرآن پاک کی مراد نہیں ہے اور پھر وہ اسے قرآن کی کسی سورۃ یا آیت پر چپاں کرتا ہے تو یہ انتہائی درجے کی گمراہی ہوگی حقیقت یہ ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام سلف صالحین اللہ تعالیٰ کی منشاء معلوم کر کے اس کے مطابق قرآن حکیم کی تفسیر کرتے رہے ہیں۔ اور کسی نے اللہ کی منشاء کے خلاف اپنی رائے کو دخل نہیں ہونے دیا۔ تفسیر بالرائے ڈاکہ، چوری اور زنا سے بھی بڑا جرم ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ أَوْ بِمَا لَا يَعْلَمُ فَلَيْتَبَوَّأَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ جس شخص نے قرآن پاک کی تفسیر اپنی رائے سے کی یا ایسی بات کی جس کو وہ نہیں جانتا تو ایسا شخص اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش کرے۔ حضور علیہ السلام نے بھی فرمایا مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَقَدْ أَخْطَا جس نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی اس نے غلطی کی۔ اگرچہ اس نے ٹھیک بات کی ہو، مگر پھر بھی اس نے اپنی ذاتی رائے شامل کر کے غلطی کا ارتکاب کیا ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں مَنْ فَسَّرَ الْقُرْآنَ بِرَأْيِهِ فَقَدْ كَفَرَ جس نے قرآن پاک کی تفسیر اپنی رائے سے کی اس نے گویا کفر کا ارتکاب کیا۔

امام ابن کثیرؒ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے پوچھا

۱۔ تفسیر ابن کثیر ص ۱۲ ۲۔ تفسیر ابن کثیر ص ۱۲ ۳۔ تفسیر ابن کثیر ص ۱۲

۴۔ تفسیر قرطبی ص ۳۲ ۵۔ تفسیر ابن کثیر ص ۱۲

گیا کہ فَاکْهَۃٌ وَّ اٰتٰیٰنِ فَاکْهَۃٌ کا معنی تو معلوم ہے ابا کا کیا مطلب ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا اٰی سَمَآءٍ تُظِلُّنِیْ وَاٰی اَرْضٍ تُقِلُّنِیْ اِذَا اَنَا قُلْتُ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ مَا لَا اَعْلَمُ مجھ پر کونسا آسمان سایہ کرے گا۔ اور کون سی زمین مجھ کو اٹھائیگی جب میں اللہ کی کتاب کے بارے میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے علم نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اس معاملے میں تکلف نہیں کرنا چاہیئے۔ جس کا علم نہ ہو، وہ اپنی رائے سے نہیں بتانی چاہیئے بلکہ صاف کہ دینا چاہیئے کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ جو کچھ جانتے ہو وہ بتاؤ اور جو نہیں جانتے انہیں اہل علم کی طرف سونپ دو۔ بلا علم اپنی رائے کو دخیل نہ کرو، یہ گمراہی ہے۔

تباہی کے
اسباب

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی ہمارے دور کے قرآن کے بہت بڑے علم ہوئے ہیں۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری نے آپ ہی سے قرآن پڑھا تھا۔ آپ نے ان کو وصیت کی تھی کہ احمد علی قرآن پڑھانے کے علاوہ اور کوئی کام نہ کرنا۔ چنانچہ اس وصیت کے مطابق حضرت لاہوری نے ساری عمر قرآن پاک کی تعلیم دی اور آپ کے شاگرد دور دور تک پھیل گئے۔ تو مولانا سندھی فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو دو چیزوں نے تباہ کیا ہے ایک کتاب اللہ سے غفلت اور دوسری قرآن پاک کی غلط تفسیر، فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت قرآن کی تعلیم سے بے بہرہ ہے۔ وہ جانتے ہی نہیں کہ یہ کیا چیز ہے۔ صرف ایک دو فیصدی آدمی قرآن کی طرف توجہ دیتے ہیں وگرنہ غالب اکثریت غفلت کا شکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اتنی عظیم کتاب عطا فرمائی ہے مگر یہ اس سے اغماض بہت کر تباہی کی طرف جا رہے ہیں۔

مسلمانوں کی تباہی کی دوسری وجہ غلط تفسیر بھی عام ہے۔ خود مسلمانوں میں سے کتنے

نام نہاد مفسرین ہیں جنہوں نے قرآن پاک کی تفسیر غلط کی ہے۔ عبداللہ حکیم الوہی کا دماغ خراب ہوا اور اُس نے غلط تفسیر کر کے لوگوں کو گمراہ کیا۔ کبھی غاروں کی تعداد دو بتائی اور کبھی تین بتائی۔ اس طرح سرسید کا دماغ بھی خراب ہو گیا۔ اُس نے بڑے اچھے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی تھی مگر معجزات کا انکار کیا اور من مانی تفسیر کی۔ غلام احمد پر ویزہ ابھی حال ہی میں فوت ہوا ہے اُس نے بھی قرآن کے نام پر دنیا میں کفر پھیلایا۔ اہل بدعت کی غلط تفسیر بھی موجود ہیں۔ یہ لوگ قرآن کریم میں تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں اور لوگوں کو تباہ و برباد کیا ہے۔

مودودی صاحب کی تفسیر میں بھی بہت سی اعتقادی غلطیاں ہیں۔ انہوں نے بھی حدیث کے سمجھنے میں غلطیاں کی ہیں۔ اصلاحی صاحب ابھی زندہ سلامت ہیں انہوں نے واقعہ معراج کو خواب سے تعبیر کر دیا ہے۔ حالانکہ چھیا لیس^{۶۶} صحابہ سے یہ واقعہ تو اتر کے ساتھ منقول ہے مگر انہوں نے اسے خواب کا واقعہ قرار دیا ہے۔ اگر یہ خواب کا واقعہ تھا تو پھر مشرک لوگ کس بات پر جھگڑا کرتے تھے، خواب میں تو سب کچھ ممکن ہے اسی طرح احمد رضا نے قرآن پاک کے الفاظ کے غلط ترجمے کیے ہیں اور اس طرح قرآن پاک میں تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں۔ آج بڑے اچھے اچھے تراجم بھی موجود ہیں جن میں مولانا شاہ اشرف علی تھانوی اور حضرت مولانا محمود حسن کا ترجمہ ہے جو آپ نے مالٹا جیل میں قلمبند کیا تھا۔ اللہ کی کتاب کا نہایت احتیاط سے ترجمہ کیا ہے یہ معیاری تراجم ہیں۔ مولانا شاہ اللہ امرتسری کا ترجمہ بھی ٹھیک ہے تاہم خود اہل حدیث علمائے تسلیم کیا ہے کہ ان کی تفسیر میں بعض غلطیاں موجود ہیں مولانا مودودی نے بعض صحیح احادیث کا اس لیے انکار کر دیا ہے کہ یہ عقل کے خلاف ہیں حضرت مولانا امامہ ولی فرماتے ہیں کہ ہماری عقلیں ناقص ہیں اور نبی کی عقل کامل ہے، لہذا ہمیں صحیح حدیث کے انکار کی بجائے اپنی عقل کو مورد الزام ٹھہرانا چاہیے۔ صحیح حدیث بہر حال قول مصطفیٰ ہے خواہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ بہر حال تفسیر قرآن کے ضمن میں میں نے یہ چند باتیں عرض کر دی ہیں۔

قرآن کریم کا موضوع اور سورۃ فاتحہ

رابطہ مضامین

قرآن پاک کی تفسیر کے سلسلے میں کل عرض کیا تھا کہ کسی سورۃ آیت یا لفظ کی تشریح سب سے پہلے قرآن پاک میں تلاش کی جائیگی اگر وہاں نہ ملے تو پھر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اگر وہاں پر بھی مسئلہ کا حل نہ مل سکے تو پھر اقوال صحابہ میں دیکھا جائے گا۔ اگر پھر بھی تفسیر معلوم نہ ہو تو تابعین اور ان کے بعد والے ائمہ مجتہدین کی طرف رجوع کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایسے مسائل میں اہل علم لوگ ہی غور و فکر کر کے کسی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں

حضرت مولانا شیخ الہند محمد حسنؒ نے مالٹا جیل میں ایسری کے دوران قرآن پاک کا نہایت عمدہ ترجمہ لکھا ہے۔ اُس کے مقدمہ میں آپ نے شاہ عبد القادرؒ کے حوالے سے یہ بات بیان کی ہے کہ قرآن پاک کے معنی بغیر سند کے معتبر نہیں جہاں پر جس کسی نے قرآن کریم کے کسی لفظ کا کوئی معنی لکھا ہے تو اُس سے پوچھا جائے گا، کہ تم نے یہ معنی کہاں سے لیا ہے کسی کی ذاتی رائے کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا اس کام کے لیے تمام مفسرین کرام نے اپنی زندگیوں کے بیشتر حصے صرف کیے ہیں انہوں نے اساتذہ کی خدمت میں رہ کر تعلیم حاصل کرنے اور کتاب اللہ کو سمجھنے کے لیے بڑی جدوجہد کی ہے، تب جا کر انہیں تفسیر قرآن کا ملکہ حاصل ہوا ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں تمام اسناد بیان کی ہیں اور آپ نے تفسیر کی شرط بھی بیان کی ہیں اور جو تفسیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابہ کرامؓ یا ائمہ سے منقول ہے اُس کو

ذکر کیا ہے۔ اسی طرح امام ترمذی اور امام حاکم نے بھی باب التفسیر لکھا ہے۔ امام طحاوی نے بھی اپنی کتاب مشکل الآثار میں تفسیر کا باب ذکر کیا ہے۔ اب آج کے درس میں قرآن پاک کے موضوع اور قرآن پاک اور سورۃ فاتحہ کے کوائف کا ذکر ہوگا۔

قرآن کا
موضوع

ہر کتاب کا کوئی نہ کوئی موضوع (SUBJECT) ہوتا ہے جس سے وہ بحث کرتی ہے، اسی طرح قرآن پاک کا بھی موضوع ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ قرآن کا موضوع ہے انسان مکلف یعنی وہ بالغ انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل و شعور عطا کیا ہے اور وہ قانون کا پابند ہے۔ قانون کی پابندی اس لیے ضروری ہے کہ کوئی انسان اس کے بغیر ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتا۔ قانون کی پابندی سے ہی انسان ذہنی، عقلی اور اخلاقی طور پر ترقی کر کے بالآخر حظیرۃ القدس اور جنت میں پہنچے گا۔ انسان کی ترقی دنیا میں تو جاری رہتی ہے بلکہ حضور علیہ السلام کی تعلیم کے مطابق ایمان والے کی ترقی بہ زرخ میں بھی جاری رہتی ہے اور پھر وہ حشر کی منزل کو طے کر کے اصل منزل تک پہنچے گا۔ تو بہر حال قرآن کا موضوع انسان مکلف ہے۔ قرآن پاک کسی خاص فرد واحد سے نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان سے بحث کرتا ہے۔

عالمی اور
قومی بنی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا مقصد بھی عالمی طور پر پوری انسانیت کی تکمیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اقوام عالم اور پوری بنی نوع انسان کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ قرآن میں اس بات کا اعلان خود حضور علیہ السلام کی زبان سے اس طرح کیا گیا ہے۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّى رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيعًا (الاعراف) اے بنی نوع انسان! میں تم سب کی طرف رسول بن کر آیا ہوں تو اس لحاظ سے آپ عالمی بنی ہیں حضور علیہ السلام کی دوسری حیثیت قومی بنی کی ہے

کیونکہ قرآن پاک کا نزول قریش کی قومی زبان عربی میں ہوا۔ اس سے قریش کی سعادت بھی مقصود تھی۔ اصحاب فیل کے واقع میں اللہ تعالیٰ نے قریش کی بڑی عزت افزائی فرمائی اور ایک طاقتور دشمن کو چھوٹے چھوٹے سے جانوروں سے ذلیل کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسی قریش خاندان میں اپنے آخری نبی کو مبعوث فرمایا اور قرآن پاک بھی انہی کی زبان میں نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ (ابراہیم) ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اُس کی قومی زبان میں۔ قرآن پاک کے متعلق اللہ نے فرمایا اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (یوسف) ہم نے قرآن حکیم کو عربی زبان میں نازل فرمایا تاکہ تم اس پر وگرام کو اچھی طرح سمجھ سکو، تو اس لحاظ سے آپ قومی نبی بھی ہیں۔

بہر حال قرآن کا موضوع انسان مکلف ہے کیونکہ تکمیل انسانیت ہی اس کا مقصد ہے۔ نبوت کا مقصد بھی یہی ہے کہ اجتماعی طور پر تمام انسانیت کو ترقی نصیب ہو اور اسلام بھی عالمی ترقی کا ہی پروگرام پیش کرتا ہے جس کے ذریعے تمام عالم انسانیت کی ہدایت مطلوب ہے تو گویا مذہب اسلام بھی کسی خاص قوم اور خاص وطن کیلئے نہیں آیا بلکہ اقوام عالم کے لیے آیا ہے۔ اگرچہ یہ ایک خاص قوم اور خاص زبان میں نازل ہوا ہے مگر اس کی حیثیت عالمی ہے اور اس کی دعوت پوری بنی نوع انسان کے لیے ہے۔ گزشتہ ادوار میں اللہ تعالیٰ نے کسی بنی کو ایک قوم کی طرف مبعوث کیا اور کسی کو دو یا زیادہ اقوام کی طرف مگر تمام اقوام عالم کے لیے صرف حضور علیہ السلام ہی کی ذات مبارکہ کو مبعوث فرمایا ہے۔ ہاں حضور علیہ السلام کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی عمومی حیثیت میں بنی بنا کر بھیجا۔ آپ کی نبوت و رسالت بھی تمام انسانوں کے لیے تھی۔ اور پھر سب سے آخر میں یہ منصب اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین صلی علیہ وسلم

اسلام کی
عالمی حیثیت

کو عطا فرمایا۔

اصلاح
علم و عمل

نزولِ قرآنِ پاک کا ایک مقصد یہ ہے کہ یہ علم اور عمل دونوں چیزوں کی اصلاح کرتا ہے۔ علم ایک عام چیز ہے اور اس میں بڑی خرابیاں پائی جاتی ہیں لوگوں کے عقیدے خراب ہوتے اور فکرمیں بگاڑ پیدا ہوتا۔ باطل مذاہب والے لوگ بھی علم رکھتے ہیں، وہ کوئی جاہل مطلق نہیں ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں بڑے بڑے عالم موجود ہیں۔ اُن کے پاس دُنیاوی، مذہبی، کلچرل اور اجتماعی ہر قسم کے علوم ہیں مگر ان میں خرابی پائی جاتی ہے، وہ عالم ہیں مگر بگڑے ہوئے، تو قرآنِ پاک ہر بگڑے ہوئے علم کی اصلاح کر کے لوگوں کے عقیدے، فکر اور ذہن کی اصلاح کرتا ہے، یہ علم کی اصلاح ہے۔ اور عمل کا بگاڑ تو عام ہے۔ دنیا کی کوئی قوم عملی بگاڑ سے خالی نہیں۔ ہم سچے دین کے پیروکار ہیں، مسلمان کہلاتے ہیں مگر ہم میں بھی عملی خرابیوں کی کمی نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحیح عمل بالکل ناپید ہو چکا ہے بلکہ صالح اعمال والے لوگ بھی کچھ نہ کچھ تعداد میں ہر زمانے میں موجود رہے ہیں اور موجود رہیں گے۔ حق باطل کبھی ختم نہیں ہوگا۔ بہر حال خرابی علمی ہو یا عملی یا اخلاقی قرآنِ پاک اس کی اصلاح کرتا ہے امامِ رازیؒ اور بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ نزولِ قرآن کا مطلب حصولِ سعادت الدارین یعنی دونوں جہاں کی سعادت مندی حاصل کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر انسان کی علمی اور عملی اصلاح ہو جائے تو اُسے دُنیا میں بھی سعادت حاصل ہو جائے گی اور اُس کی آخرت بھی باسعادت ہوگی۔ غرضیکہ مختصر طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کا موضوع انسانِ مکلف ہے۔ یہ قرآن انسان کی علمی اور عملی دونوں طریقوں سے اصلاح کرتا ہے اور نبوت کا مقصد بھی جیسا کہ امامِ بیضاویؒ فرماتے ہیں، تکمیلِ انسانیت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا جو لوگوں کی تربیت کرتے رہے ہیں۔ پھر جو لوگ

انبیاء سے ادب سیکھ کر اُس پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں وہ درجہ کمال تک پہنچ جاتے ہیں اور جو لوگ انبیاء کی تعلیم و تربیت سے مستفید نہیں ہوتے وہ دنیا و آخرت ہر دو مقامات پر بد بختی کا شکار ہوتے ہیں۔

کوائف قرآن

قرآن پاک کے موضوع کے ذکر کے بعد اب قرآن حکیم کے کچھ کوائف بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ قرآن کریم کی کل ۱۱۴ سورتیں ہیں اور ہر سورۃ کو ایک صحیفہ بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ سورۃ بینہ میں موجود ہے رَسُولٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً اللہ کا رسول پاکیزہ صحیفے پڑھ کر سناتا ہے اور اس سے مراد یہی سورتیں ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہر سورۃ کو علیحدہ علیحدہ صحیفہ تسلیم کر لیا جائے تو قرآن پاک کے کل ۱۱۴ صحیفے بن جائیں گے۔ ان میں سے بعض لمبے ہیں جیسے سورۃ بقرہ، آل عمران، مائدہ وغیرہ، بعض درمیانے درجے کے صحیفے ہیں اور بعض چھوٹے۔ ہر سورۃ یا صحیفہ میں انسانیت کو درجہ کمال تک پہنچانے کا پروگرام موجود ہے۔ اگر انسان چھوٹی سے چھوٹی سورۃ میں بھی غور و فکر کرے، اس پر اعتماد جائے اور اس کے مطابق عمل کر لے تو اس کے لیے یہی کافی ہے۔

قرآن پاک کی کل آیات کی تعداد چھ ہزار سے کچھ زیادہ ہے۔ اس تعداد کے متعلق مفسرین میں معمولی سا اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ کوئی ایسا فاش اختلاف نہیں بعض حضرات کسی ایک آیت کو دو شمار کر لیتے ہیں جبکہ دوسرے کل گنتی میں فرق آجاتا ہے جیسے سورۃ الفجر کی ایک لحاظ سے تین آیات ہیں جب کہ دوسرے حساب سے تینتیس^{۳۳} ہیں۔ اس طرح کل آیات ۶۶۱۶ یا ۶۶۰۰ بنتی ہیں۔ اور اگر ہر سورۃ کے ساتھ بسم اللہ کو بھی آیت شمار کر لیا جائے تو مزید کچھ فرق پڑ جائے گا، وگرنہ سورۃ نمل کو چھوڑ کر باقی ۱۱۳ سورتوں میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کسی سورۃ کا جزو نہیں ہے۔

قرآن پاک کے جملہ الفاظ یا کلمات کی تعداد ۶۶۹۳۲ ہے جب کہ جملہ حروف ۳۲۲۰۷۰ ہیں۔ حضرت مجاہد اور حضرت عطاء کی تعداد میں کچھ تھوڑا بہت فرق ہے، تاہم ابن کثیر اور دیگر مفسرین نے مذکورہ تعداد کو ہی اختیار کیا ہے۔

اہل تشیع
کی کذب
بیانی

کُتُب حدیث میں جس طرح اہل سنت کے ہاں صحاح ستہ اور پھر ان میں صحیح بخاری کو شرف حاصل ہے۔ اسی طرح اہل تشیع کی چار معتبر کتابوں (اصول اربعہ) میں اصول کافی سب سے معتبر کتاب ہے۔ اس کا جامع تیسری اور چوتھی صدی کا معقوب کلینی ہے۔ اُس نے اپنے راویوں سے روایتیں جمع کی ہیں اور انہیں اہم جعفر صادقؑ اور حضرت علیؑ سے منسوب کئے کے حضور علیہ السلام کے ساتھ وابستہ کیا ہے، تاہم اہل سنت کی تحقیق کے مطابق ان میں سے اکثر روایات صحیح نہیں ہیں۔ بہر حال اصول کافی میں بکھاٹے ہیں۔ اِنَّ الْقُرْآنَ الَّذِي جَاءَ بِهِ حَبْرٌ يُؤْتِلُ اِلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةَ عَشَرَ اَلْفَ اَيَةٍ یعنی جس قرآن پاک کو حبرائیل علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر لائے تھے اُس کی سترہ ہزار آیتیں تھیں۔ یہ روایت بالکل جھوٹ کا پلندہ ہے کیونکہ قرآن پاک کی آیات کی تعداد جیسا کہ پہلے عرض کیا چھ ہزار سے کچھ زائد ہے۔ شیعہ حضرات اس روایت سے گویا یہ مطلب اخذ کرتے ہیں کہ باقی آیتیں صحابہ کرامؓ نے قرآن پاک سے خارج کر دیں۔ اس روایت سے صحابہ کرامؓ کی دیانت کو مجروح کرنا مقصود ہے جنہوں نے قرآن پاک کی جملہ آیات کو جمع کیا، بکھوایا اور پھر آگے پھیلایا۔ یہ روایت حقیقت کے سراسر خلاف ہے۔

سُورَةُ فَاتِحَةٍ
کے کو اَلْف و
فَضْل

قرآن پاک کی سب سے پہلی سورۃ فاتحہ ہے جس کے مختلف نام بعد میں ذکر کیے

۱۔ ابن کثیر ص ۱

۲۔ اصول کافی ص ۶۳۳ مطبوعہ تہران ۱۳۸۸ھ

جائیں گے۔ سات آیات پر مشتمل اس سورۃ میں پچیس^{۲۵} الفاظ اور ایک سو تیس^{۱۲۳} حروف ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے لِبَابِ الْقُرْآنِ الْخَوَاصِّ السَّبْعَةِ یعنی پورے قرآن پاک کا لب لباب ان سات سورتوں میں ہے جن کی ابتدا حسم سے ہوتی ہے۔ قرآن پاک کے بنیادی مسائل توحید، رسالت، قیامت اور وحی الہی ہیں، باقی سب کچھ ان کی تشریح کے ضمن میں آتا ہے۔ تو یہ چار بنیادی چیزیں جو ایمم میں کمال درجے کے ساتھ ذکر کی گئی ہیں۔ اور پھر ان سات سورتوں کا خلاصہ صرف ایک سورۃ فاتحہ میں آگیا ہے۔ اور اس سورۃ کا پچوڑ اس کی آیت إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ میں سما گیا ہے۔ صرف اللہ کی عبادت اور اُسی سے استعانت طلبی منتہائے کمال ہے اور یہ اس سورۃ فاتحہ کا خلاصہ ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ سورۃ فاتحہ اعظم سورۃ فی القرآن یعنی قرآن پاک میں سب سے اعظم، بہتر اور اچھی سورۃ یہی ہے۔ اعظم کا لغوی معنی بڑی ہے مگر مراد یہ ہے کہ فضیلت میں سورۃ فاتحہ قرآن پاک کی سب سے بڑی سورۃ ہے۔ تمام بڑی، چھوٹی اور وسطانی سورتوں میں سب سے اعلیٰ مقام سورۃ فاتحہ کو حاصل ہے کیونکہ اس میں پورے قرآن کریم کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے۔ یہ بے مثال سورۃ ہے۔

قرآن پاک کے دو بنیادی مباحث ہیں، ایک عقائد کا اور دوسرا اعمال کا، اعمال شخصی بھی ہوتے ہیں جن کا تعلق انسان کی انفرادی زندگی سے ہوتا ہے اور منزلی بھی جن کا تعلق تمدنی زندگی کے ساتھ ہوتا ہے۔ علم اخلاق والے اور حضرت امام شاہ ولی اللہؒ ان کو تدبیر منزل سے موسوم کہتے ہیں۔ ان میں وہ اعمال آتے ہیں جن کا تعلق محلے، شہر یا ملک سے ہوتا ہے اور ان کی ضرورت اجتماعی زندگی میں گھر کے اندر سے شروع ہو کر پورے معاشرے تک ہوتی ہے ان دونوں انواع کے اعمال کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے۔ عقائد کے سلسلے میں توحید کا ذکر بطور خاص ہے، اس کے

نہایت
ورۃ

علاوہ نبوت و رسالت اور قیامت کا ذکر ہے جو کہ قرآن پاک میں موجود ہے۔ عبادات میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا بیان موجود ہے۔ مکارم اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے۔ اچھے اور پسندیدہ اخلاق کو اختیار کرنے اور بُرے اور ناشائستہ اخلاق سے پرہیز کی تلقین ہے اہل ایمان کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بہت بڑا اصول ہے جس کو قرآن پاک میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اہم مضامین میں نیکی کے کاموں میں تعاون، خیر و شر کی پہچان، قضا و قدر پر ایمان، سعادت و شقاوت کی پہچان، شفاعت کا مسئلہ، جنت اور دوزخ کی تفصیلات ہیں۔ معاشرتی مسائل میں نکاح و طلاق کے مسائل، وراثت، لین دین، بیع شراعی، خلافت، سیاست اور امور سلطنت وغیرہ سب قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ شر و فساد کے قلع قمع کے لیے جہاد کی ضرورت اور فرضیت کا ذکر ہے۔ تبلیغ اسلام کا طریقہ بھی بتلایا گیا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (النحل) تبلیغ دین کا فریضہ نہایت داناںی اور اچھے طریقے سے آگے بڑھانا چاہیئے اور اگر اغیار کے ساتھ بحث مباحثہ کی نوبت آئے تو اخلاق کی حدود میں رہتے ہوئے احسن طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔

قرآن پاک کے دیگر مضامین میں محبت، صبر، عزم، تقویٰ جیسے اہم اصول ہیں امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی حکمت کے مطابق چار اہم بنیادی اخلاق، طہارت، اخبات، سماحت اور عدالت کا تذکرہ بھی قرآن پاک میں موجود ہے۔ یہ سب قرآن کریم کے اہم مقاصد ہیں۔ اور سورۃ فاتحہ ان تمام مقاصد پر مشتمل ہے۔ ان کا خلاصہ اس سورۃ مبارکہ میں موجود ہے۔ لہذا یہ عظیم سورۃ فی القرآن ہے۔

سُورۃ الفاتحہ — دیباچہ قرآن

سُورۃ الفاتحہ کی فضیلت کے متعلق کل عرض کیا تھا کہ باعتبار درجہ اور فضیلت یہ قرآن پاک کی سب سے افضل اور پسندیدہ سورۃ ہے کیونکہ اس میں قرآن پاک کے تمام مقاصد کا خلاصہ آگیا ہے۔ ہر کتاب کی ابتداء میں اُس کتاب کا اجمالی تعارف دیباچہ کی صورت میں ہوتا ہے، چنانچہ قرآن پاک کا دیباچہ سُورۃ الفاتحہ ہے، کیونکہ یہ سورۃ قرآن پاک کے تمام معانی کی جامع ہے۔ اس کی مثال اس طرح بیان کی گئی ہے کَمِثْلَةِ صَفِيْرَةٍ تُرِيْتُ شَيْئًا عَظِيْمًا جس طرح ایک چھوٹا سا آئینہ بہت بڑی چیز کو دکھا دیتا ہے۔ اسی طرح یہ مختصر سورۃ قرآن کریم کے تمام بڑے بڑے مضامین کی جھلک دکھاتی ہے۔

اس سُورۃ مبارکہ میں پانچ صفات ربوبیت کی اور پانچ صفات عبدیت کی بیان کی گئی ہیں۔ ربوبیت کی پہلی صفت اَھم ذَاتُ اللّٰہ ہے اس کا ذکر سب سے پہلے ہوا ہے۔ دوسرے نمبر پر صفت رب ہے جس کا معنی پرورش کر کے کسی چیز کو کمال تک پہنچانا ہے۔ خود انسان کی پرورش اور ہر چیز کا ارتقاء اسی صفت رب کا سرمونت ہے۔ تیسری صفت رَحْمٰن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہر ایک کو ہمیشہ شامل حال رہتی ہے۔ چوتھی صفت رَحِيْم یعنی خاص مہربانی ہے جو آخرت میں اُس کے فرمانبردار بندوں کو نصیب ہوگی۔ اس کے بعد پانچویں صفت مالک بیان ہوئی ہے کہ ہر چیز کا مالک خداوند کریم ہی ہے۔

صفات
ربوبیت
وعبدیت

اس سُورۃ مبارکہ میں عبودیت کی پانچ صفات بھی بیان ہوئی ہیں۔ پہلی صفت عبادت

ہے۔ ہر انسان کا اولین فریضہ ہے کہ وہ اپنے خالق اور مالک کے سامنے سر نیاز خم کرے۔ دوسری صفت استعانت بیان ہوئی ہے۔ مخلوق کے لیے ہر دینی یا دنیاوی کام میں استعانت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کوئی کام پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ لہذا انسان اللہ تعالیٰ کی استعانت کے محتاج ہیں۔ عبودیت کی تیسری صفت طلب ہدایت ہے۔ یہ بھی ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے وگرنہ وہ کامیابی کی منازل طے نہیں کر سکتا۔ ہر اہل ایمان ہر نماز میں یہی دعا کرتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ اے اللہ! میری سیدھے راستے کی طرف راہنمائی فرما۔ پھر عبودیت کی چوتھی صفت طلب استقامت ہے۔ راہِ راست میسر آجانے کے باوجود جب تک اس پر استقامت نصیب نہ ہو، انسان منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہر انسان کے لیے ایمان، توحید، صحیح عمل اور اخلاق پر قائم رہنا بھی ضروری ہے۔ لہذا اس سورۃ مبارک میں استقامت کو بھی طلب کیا گیا جو کہ بہت بلند چیز ہے۔ اس کے بعد عبودیت کی پانچویں صفت نعمت کا طلب کرنا اور خدا تعالیٰ کے غضب و ناراضگی سے پناہ چاہنا ہے۔ یہ تمام پانچوں صفات عبودیت بھی سورۃ فاتحہ میں بیان ہو گئی ہیں

انسانی جسم کے عناصر

امام رازی (متوفی ۶۰۶ھ) سلطان محمد غوری کے زمانے میں عظیم مفسر قرآن ہوئے ہیں۔ اس وقت تک مسلمان عروج پر تھے کیونکہ ان کا زوال تو ساتویں ہجری میں شروع ہوا ہے۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ انسان کی ساخت مختلف چیزوں کا مرکب ہے۔ اس جسم میں کثیف چیزیں بھی ہیں اور لطیف بھی۔ انسانی جسم کی ساخت میں خارجی دنیا کے تمام عناصر پائے جاتے ہیں۔ جس طرح سونا چاندی، لوہا، ریت، چونہ زمین کے عناصر ہیں اسی طرح یہ اشیاء انسانی جسم کے عناصر بھی ہیں۔ یونانیوں کے زمانے میں چار عناصر تسلیم کیے

جاتے تھے جو پانچ، چھ اور سات تک پہنچ گئے۔ ہندوستانیوں کے ہاں چھ عناصر مشہور تھے مگر اس میں کوئی تحدید نہ تھی۔ بعد میں جوں جوں سائنس نے ترقی کی اور تحقیقات کا دور آیا تو معلوم ہوا کہ کائنات میں عناصر کی تعداد تو کہیں زیادہ ہے، چنانچہ آج کل سائنس دانوں میں ایک سو بیس^{۱۲} سے زیادہ عناصر کا تذکرہ ہوتا ہے۔ ان تمام عناصر سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور یہ سائے کے سائے انسانی جسم کا بھی حصہ ہیں۔ انسان کا جسم اللہ تعالیٰ نے نہایت پیچیدہ (COMPLICATED) کمپلی کیسٹڈ بنایا ہے۔ بیشمار ظاہری اشیاء کے علاوہ اس میں لاتعداد باطنی لطیف چیزیں بھی ہیں۔

نفسِ شیطانی
بہیمی اور ملکی

امام رازیؒ سمجھانے کی غرض سے فرماتے ہیں کہ انسانی جسم میں نفسِ شیطانی بھی پایا جاتا ہے اور نفسِ سبعی (درندوں جیسا) بھی۔ اس میں نفسِ بہیمی بھی ہے اور جوہرِ ملکی (فرشتوں جیسا) بھی۔ فرماتے ہیں کہ جوہرِ ملکی کا اطمینان اسم اللہ کی تجلی سے ہوتا ہے۔ جب انسان پر قسم کی تجلی پڑتی ہے تو انسان میں موجود ملکی جوہر کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اور جب اسم رب کی تجلی پڑتی ہے تو انسان کا نفسِ شیطانی زیر ہوتا ہے اور وہ انسانی ذہن میں شر و فساد برپا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جب اسم رحمان کی تجلی وارد ہوتی ہے تو انسان کا نفسِ سبعی مغلوب ہوتا ہے اور اس کی اصلاح ہوتی ہے۔ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ آج ساری کی ساری بادشاہی حق تعالیٰ کے لیے ہے جو نہایت مہربان ہے۔ پھر جب اسم رحیم کی تجلی انسان پر پڑتی ہے، تو اُس کے نفسِ بہیمی کی اصلاح ہوتی ہے۔ گویا ہر اسم پاک کی الگ الگ تجلی اور الگ الگ خواص ہیں۔ انسان کا جسم کثیف ہے اور یہ کثافت صفتِ مالکیت سے مغلوب ہوتی ہے اور انسان میں لطافت پیدا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں پانچ صفات ربوبیت کی ذکر کی ہیں اور پانچ ہی عبودیت کی۔ اور اللہ کے پانچ اسمائے پاک کی تجلی سے مختلف قسم کے اثرات انسانی وجود پر

پیدا ہوتے ہیں۔

ملکیت اور
بہیمیت کی
کش مکش

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی حکمت کے مطابق انسان میں ملکیت اور بہیمیت کی کشمکش جاری ہے اور ابد الابد تک جاری رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ساخت میں یہ دونوں مادے اس مقدار میں رکھ دیے ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوں گے جب بھی ان میں سے کوئی مادہ ختم ہوگا، تو انسان باقی نہیں رہے گا۔ بہیمیت کا کچھ مادہ انسان کے ساتھ جنت میں بھی موجود ہوگا، کیونکہ انسانیت کے قیام کا انحصار اسی پر ہے۔ جب بہیمیت کی صفت کسی انسان میں حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو اس میں درندوں جیسی چیرنے پھاڑنے کی خصلت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے تعلیم یہ دی جاتی ہے کہ ایسے امور انجام دو جن سے بہیمیت مغلوب اور ملکیت غالب ہو۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس مقصد کے حصول کے لیے طہارت، اخبات، سماحت اور عدالت جیسے زیر اصول اپنانا ہوں گے، ان امور کو انجام دینے سے بہیمیت دبی ہے گی اور کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ اگر طہارت کی بجائے نجاست، عاجزی کی بجائے تکبر خدمت کی بجائے خود غرضی اور عدالت کی بجائے ظلم کو اختیار کر دو گے تو بہیمیت بڑھ جائے گی اور انسان ناکامی کی منزل پر گامزن ہو جائے گا۔

خلاصہ
کتب
آسمانی

امام مجدد الف ثانیؒ نے یہ بات حضرت علیؑ کی طرف منسوب کر کے اپنے مکاتیب میں نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی آسمانی صحیفے نازل فرمائے ہیں۔ ان کے تمام مضامین اولاً تین آسمانی کتابوں زبور، تورات اور انجیل میں جمع کر دیے۔ پھر ان تینوں کتب کے جملہ مضامین کو قرآن پاک میں جمع فرمایا اور قرآن پاک کے تمام مضامین سورۃ فاتحہ میں یک جا کر دیے، گویا دیباچہ قرآن سورۃ الفاتحہ میں وحی الہی کے تمام مضامین کا خلاصہ

اُگی ہے۔ اور پھر سورۃ فاتحہ کے تمام مضامین بِسْمِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں آگئے ہیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے معاصر شیخ عبدالکریم جیلیؒ مفسر قرآن نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی تفسیر میں: "الْكَهْفُ وَالرَّقِیْمُ فِي تَفْسِیْرِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں بِسْمِ اللّٰهِ کی تفسیر شرح و بسط کے ساتھ لکھی ہے۔ اسی طرح صاحب تفسیر کبیر امام رازیؒ نے بھی بِسْمِ اللّٰهِ کی تفسیر میں فل سیکپ کے ستر صفحات لکھے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کے تمام مضامین حرف "ب" میں آگئے ہیں بلکہ "ب" کے نقطہ میں ہیں، اور علم ریاضی میں نقطہ ایک ایسی چیز ہے جسکی تعریف نہیں کی جاسکتی، اس کو فرض کیا جاتا ہے۔ لیکن اعداد کی تمام عمارت اسی نقطہ پر قائم ہے۔ اگرچہ نقطہ خود نظر نہیں آتا، اسی طرح ذات خود تو نظر نہیں آتی مگر تمام کائنات کی بنیاد اسی سے قائم ہے۔

اور "ب" کا مطلب استعانت بھی ہوتا ہے اور استعانت کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی ہونی چاہیئے اور ہر کام کے لیے اُسی سے مدد طلب کرنی چاہیئے قرآن و سنت میں اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ کا حکم موجود ہے کہ تمام مشکلات اور حوائج میں اللہ ہی سے مدد طلب کرو۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق شامل حال نہ ہو تو انسان قدم بھی نہیں اٹھا سکتا حتیٰ کہ آنکھ بھی نہیں جھپک سکتا، وہ اور کیا کام انجام دے گا۔ لہذا استعانت بھی اللہ ہی سے کرنی چاہیئے۔ غرضیکہ توحید باری تعالیٰ جو پورے دین کی جڑ بنیاد ہے، اسی نقطہ سے سمجھائی گئی ہے۔

امام حفصہ صادقؒ سے منقول ہے کہ "ب" کا معنی ہے بِئِ كَآنَ مَا كَانَ وَبِئِ كَآنَ مَا یَكُوْنُ یعنی جو کچھ ہے میری وجہ سے اور جو

کچھ ہوگا وہ میری وجہ سے ہوگا۔

سورۃ فاتحہ کی تفسیر اور اسکی فضیلت کے متعلق چند باتیں عرض کر دی گئی ہیں۔

اب حدیث پاک میں سورۃ فاتحہ کے جو مختلف نام آئے ہیں ان کا ذکر کیا جائیگا۔

اسمائے سورة الفاتحة

گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ سورة فاتحہ قرآن پاک کا دیباچہ ہے، اور اس میں قرآن کریم کی مفصل تعلیمات کو نہایت اختصار کے ساتھ سمودیا گیا ہے۔ یہ سورة قرآن کریم کی تمام سورتوں میں سے افضل اور بہتر سورة ہے۔ اب آج کے درس میں سورة فاتحہ کے اُن مختلف اسماء کا ذکر ہو گا۔ جو احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔

۱۔ فاتحۃ الكتاب اس سورة مبارکہ کا پہلا نام فَاتِحَةُ الْكِتَابِ۔ فاتحہ کے معنی کھولنے والی ہے۔ اس کا معنی ابتدا کرنے والی سورة بھی ہے، چنانچہ قرآن پاک کی ابتداء اسی سورة سے ہوتی ہے۔ ہر مطبوعہ قرآن کریم کی ابتداء میں یہی سورة آتی ہے۔ اس واسطے اُس کو سورة فاتحہ کہا جاتا ہے۔ تعلیم دیتے وقت بھی سب سے پہلے اسی سورة کی تعلیم دی جاتی ہے۔ جب نماز میں قرآن حکیم کی قرأت شروع کی جاتی ہے۔ تو وہ بھی اسی سورة سے ہوتی ہے۔ اسی لیے یہ مسئلہ ہے کہ اگر نماز میں سورة فاتحہ سے پہلے کوئی دوسری سورة پڑھی جائے تو سجدہ سہو لازم آتا ہے۔

۲۔ سورة الحمد اس سورة مبارکہ کا دوسرا نام سُورَةُ الْحَمْد ہے۔ حمد تعریف کو کہتے ہیں اور مراد ایسی سورة ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی جاتی ہے۔ اس لیے اس کا نام سورة الحمد بھی ہے۔

۳۔ أم القرآن اس سورة کا تیسرا نام ام القرآن ہے۔ ام اصل کو کہتے ہیں۔

گو یا قرآن پاک کی اصل یہی سورة ہے۔ قرآن پاک کی تمام تعلیمات جن کا تعلق

اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے یا اُس کی صفات سے یا عالم بالا سے وہ سب اس
سُورۃ مبارکہ میں مذکور ہیں۔ اس میں قیامت اور معاد کا ذکر موجود ہے۔ نبوت و رسالت
کا ذکر ہے۔ اللہ کی صفت قضا و قدر بھی بیان ہوئی ہے۔ لہذا یہ ام القرآن ہے۔ پھر
یہ بات بھی ہے کہ تمام علوم کی غایت یا تو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی پہچان ہے یا انسان
کی عبودیت کی پہچان ہے۔ چونکہ یہ دونوں چیزیں اس سُورۃ میں پائی جاتی ہیں، اس لیے
بھی اُسے ام القرآن کہا جاتا ہے۔ تمام اصول اور فروعات جن کے انسان پابند ہیں یا جن
سے انسان کے ظاہر و باطن کا تزکیہ مقصود ہے، وہ تمام کے تمام اس سُورۃ میں آگئے
ہیں، اس لیے بھی اس سُورۃ کو ام القرآن کہا گیا ہے۔

۴۔ سبع مثانی

اس کا چوتھا نام سَبْعَ مَثَانِي یعنی سات دہرائی ہوئی آیتیں ہیں۔ قرآن پاک
میں اس کو قرآن عظیم بھی کہا گیا ہے۔ وَلَقَدْ آتَيْنَكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ
الْعَظِيمَ (الحجر) ہم نے آپ کو سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا فرمایا۔ اس سُورۃ کا آدھا
حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے اور آدھا حصہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش، ہدایت،
استعانت، نیکی کی توفیق، گمراہی سے بچاؤ اور قہر و غضب سے نجات پر مشتمل ہے۔ مثانی کا معنی
دہرائی ہوئی ہے۔ چونکہ یہ سُورۃ ہر نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہے۔ اس لیے بھی اس کو
سبع مثانی کہا جاتا ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وَالَّذِي
نَفْسِي بِيَدِهِ مَا أُنْزِلَ فِي التَّوْرَةِ وَلَا فِي الْإِنْجِيلِ وَلَا فِي الزَّبُورِ
وَلَا فِي الْقُرْآنِ مِثْلُهَا اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے
باعتبار درجہ، فضیلت، بہتری اور خیریت چاروں آسمانی کتابوں تورات، انجیل، زبور
اور قرآن میں اس جیسی کوئی سُورۃ نازل نہیں کی گئی۔ وَإِنَّهَا سَبْعٌ مِّنَ الْمَثَانِي

یہ صرف سلعِ مثانی ہی ہے جو مجھے عطا کی گئی ہے۔

۵۔ وافیہ اس سورۃ کا پانچواں نام الْوَافِيَّةُ یعنی پورا کرنے والی ہے۔ چونکہ یہ سورۃ ہر مقصد کو پورا کرتی ہے، لہذا اسے وافیہ کہا گیا ہے بمقصدِ اصلاحِ عقائد ہو یا اعمال یا اخلاق یہ سورۃ سب کو پورا کرتی ہے اس لیے اس کا نام وافیہ ہے۔

۶۔ کافیہ اس سورۃ مبارکہ کا چھٹا نام السُّورَةُ الْكَافِيَّةُ ہے۔ کافیہ کا معنی کفایت کرنے والی ہے۔ انسان کی نجات کے لیے اگر اور کچھ بھی نہ ہو تو صرف یہی سورۃ کفایت کر جائے گی، اس لیے اس کا نام سورۃ کافیہ رکھا گیا ہے۔

۷۔ اساس اس کا ساتواں نام السُّورَةُ الْاَسَاسِيَّةُ ہے۔ اساس کا معنی بنیاد ہوتا ہے۔ ہر چیز کی بنیاد یہی سورۃ ہے۔ معاملہ تعلیم کا ہو یا عقیدہ کا۔ ظاہری اصلاح مطلوب ہو یا باطنی اصول ہوں یا فروعیات ہر چیز کی بنیاد ہے، لہذا اسے سورۃ اساس بھی کہا گیا ہے۔

۸۔ شفا اس سورۃ کا آٹھواں نام الشِّفَاءُ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے باطنی شفا تو پورے قرآن پاک میں رکھی ہے۔ سورۃ یونس میں موجود ہے کہ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے آگئی ہے موعظت و شفاء لِمَا فِي الصُّدُورِ اور دلوں کی بیماریوں کی شفا، چنانچہ قرآن پاک کو پڑھنے اور اس پر عمل کرنے سے تمام باطنی بیماریوں کفر، شرک، نفاق، بد اخلاقی وغیرہ سے شفا ملتی ہے،

تاہم سورۃ فاتحہ میں بالخصوص باطنی بیماریوں کے علاوہ بعض ظاہری بیماریاں کے لیے بھی شفا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے شَفَاءُ مَنْ سَيِّئَ سُوْرَةَ فَاتِحَةٍ میں زہر کے لیے شفا ہے۔ اس کو پڑھ کر دم کیا جائے تو اللہ تعالیٰ شفا عطا کرے گا۔

۱۔ تفسیر روح المعانی ص ۳۸ ۲۔ تفسیر ابن کثیر ص ۱۸

۳۔ تفسیر ابن کثیر ص ۱۸ ۴۔ دارمی ص ۲۲ ۵۔ تفسیر ابن کثیر ص ۱۸

دارمی شریف^۱ کی روایت میں یہ بھی آتا ہے فَاتِحَةُ الْكِتَابِ شِفَاءٌ مِّنْ كُلِّ دَاءٍ سُوْرَةُ فاتحہ میں ہر بیماری کی شفا ہے۔ اس طرح مسند بزارہ میں یہ روایت بھی موجود ہے اِذَا وَضَعْتَ جَنْبَكَ عَلَى الْفِرَاشِ جَبْ تَمَّ يَلْتَنُ كَيْ لِيْنِ اِنَا پہلو بستر پر رکھ دو و قَرَأْتَ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اور سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص کی تلاوت کرو فَقَدْ اَمَدْتَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اِلَّا الْمَوْتَ تو تمہیں موت کے سوا ہر چیز سے امن حاصل ہو گیا۔ حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ ایک شخص کو دوران سفر بچھو نے کاٹ لیا حضرت ابوسعید خدریؓ نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کر دیا تو اُس شخص کو شفا حاصل ہو گئی۔ مریض سردار آدمی تھا، اُس نے کچھ معاوضہ بھی ادا کیا جو حضرت ابوسعیدؓ نے قبول کر لیا۔ واپس آکر حضور علیہ السلام کی خدمت میں سارا واقعہ کہ سنایا، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ علاج والی سورۃ ہے، لہذا اس کے ساتھ علاج کے لیے اگر کوئی معاوضہ دے تو لے سکتے ہو۔ اس میں کوئی حرج نہیں، نیز آپ نے یہ بھی فرمایا مَا يُدْرِيكَ اَنْهَا رُقِيَّةٌ تَحْتَهُ كَيْ مَعْلُومٌ كَيْ يَہ سورۃ یہ کام بھی کرتی ہے۔ ہو سکتا ہے انہوں نے کبھی سورۃ فاتحہ کی یہ تعریف سنی ہو اور پھر عقیدت کے ساتھ دم کیا تو شفا مل گئی۔

سورۃ فاتحہ کا نواں نام تعلیم المسئلہ ہے۔ اس میں سوال کرنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے۔ ۹۔ تعلیم المسئلہ یعنی جب اللہ تعالیٰ سے کوئی حاجت طلب کرنا ہو تو پہلے اس کی حمد و ثناء بیان کرو اور اور اس کے بعد اپنا سوال پیش کرو۔ لہذا یہ سورۃ تعلیم المسئلہ بھی ہے۔

اس سورۃ کا دسواں نام شکر ہے جب کوئی شخص کہتا ہے الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ

۱۔ دارمی ص ۲۲۰ ۲۔ درمنثور ص ۱۵

۳۔ بخاری ص ۸۵۶ ۴۔ تفسیر روح المعانی ص ۳۸ ۵۔ تفسیر روح المعانی ص ۲۸

الْعٰلَمِیْنَ تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے کہ جب بھی کوئی نعمت ملے یا کسی نعمت کو استعمال میں لاؤ تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤ۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے مختلف مواقع پر شکر ادا کرنے کی دعائیں سکھلائی ہیں مثلاً جب کھانا کھا چکو تو اس طرح کہو الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ وَسَقَانِیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ شکر ہے اُس اللہ تعالیٰ کا جس نے مجھے کھلایا اور پلایا اور مسلمانوں میں بنایا۔ جب کوئی شخص نیا کپڑا پہنے تو یوں کہے الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے کپڑا پہنایا۔ جب کسی سواری پر سوار ہوں تو یہ دعا کریں۔ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے تابع کر دیا۔ بہر حال یہ الحمد للہ شکر کا معنی ابھی دیتا ہے، اس لیے اس سورۃ کا ایک نام شکر بھی ہے۔

۱۱۔ دُعا اس سورۃ کا گیارہواں نام سورۃ دُعا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنے اور اس کے لیے عبودیت اور استعانت کا اقرار کرنے کے بعد اپنی حاجت کا سوال بھی کیا جاتا ہے، لہذا بلاشبہ یہ سورۃ دُعا بھی ہے۔

۱۲۔ رقیہ اس سورۃ کا بارہواں نام سورۃ رقیہ یعنی جھاڑ پھونک والی سورۃ ہے۔ اس کو پڑھ کر مریض پر دم کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ شفا بخشتا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے اس سورۃ کے ساتھ دم کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ تجھے کیا پتہ کہ یہ سورۃ جھاڑ پھونک کا کام بھی دیتی ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ نے زہر یا دیگر مضر اشیاء کے لیے شفا رکھی ہے۔ بہر حال اس کا ایک نام رقیہ بھی ہے۔

۱۔ ترمذی ص ۱۸۳ ۲۔ ترمذی ص ۱۹۶

۳۔ ترمذی ص ۱۸۲ ، ۴۔ تفسیر روح المعانی ص ۲۸ ۵۔ تفسیر روح المعانی ص ۲۸

اس کا تیرہواں نام واقعہ یعنی بچانے والی سورۃ ہے۔ جو شخص اس پر ایمان لائے ۱۳۔ واقعہ
 گا اور اس کی تلاوت کرے گا۔ وہ دنیا اور آخرت کے شرور و فتن سے بچ جائے گا
 اس سورۃ کا چودھواں نام الکُنُز ہے۔ کنز کا معنی خزانہ ہوتا ہے حضور علیہ السلام ۱۴۔ کنز
 کا ارشاد مبارک ہے اُعْطِيتُ مِنْ خَزَائِنِ الْعَرْشِ مجھے عرش کے خزانوں
 میں سے خزانہ عطا کیا گیا ہے۔ اس خزانہ میں ایک تو یہ سورۃ فاتحہ ہے اور دوسری
 آیت الکرسی ہے اور تیسری چیز بقرہ کی آخری آیات ہیں۔ طبرانی کی روایت میں سورۃ کوثر
 کا ذکر بھی آتا ہے۔ اس کے علاوہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کے متعلق بھی
 آتا ہے کہ یہ عرش کے خزانوں میں سے خزانہ ہے۔ اس کی بھی تعلیم دی گئی ہے
 کہ بکثرت پڑھا جائے۔

اس سورۃ کا پندرہواں نام سورۃ الصلوٰۃ ہے۔ چونکہ یہ سورۃ نماز کے لیے ۱۵۔ سورۃ الصلوٰۃ
 مخصوص ہے اور ہر نماز خواہ فرض ہو یا نفل، اس میں سورۃ فاتحہ پڑھنا پڑتی ہے، لہذا
 اس کو سورۃ الصلوٰۃ بھی کہا جاتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ
 اس طرح فرماتا ہے قَسَمْتُ الصَّلٰوةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ میں نے
 نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ
 اور میرے بندے کے لیے وہی ہو گا جو مانگے گا۔ فرمایا جب بندہ الحَمْدُ لِلّٰهِ
 رَبِّ الْعَالَمِينَ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ میرے بندے نے
 میری تعریف بیان کی۔ جس وقت بندہ کہتا ہے الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ تو اللہ فرماتا ہے
 اَشْنٰى عَلٰى عَبْدِيْ میرے بندے نے میری ثنائیاں کی۔ پھر جس وقت بندہ کہتا ہے

مِلْكٌ يَوْمَ الدِّينِ تو اللہ فرماتا ہے حَجَّدَنِي عَبْدِي میرے بندہ نے میری بزرگی کا اظہار کیا ہے اور میری عظمت بیان کی ہے۔ اُس نے اپنے معاملات میری طرف سونپ دیے ہیں۔ اس کے بعد جب بندہ کہتا ہے اَيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اَيَّاكَ نَسْتَعِينُ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هَذَا بَيْنِي وَ بَيْنَ عَبْدِي یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ ایک کام میں کرتا ہوں اور ایک بندہ کرتا ہے جب بندہ کہتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ هَذَا الْعَبْدِي یہ میرے بندے کے لیے ہے اور بندہ جو مانگتا ہے، میں اس کو دیتا ہوں۔

صِرَاطِ مُسْتَقِيم سے مراد انعام یافتہ لوگوں کا راستہ ہے جن میں نبی، صدیق، شہید اور صالحین شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ان لوگوں کے طریقے پر چلنے کی دعا کی جاتی ہے نہ کہ اُن لوگوں کا راستہ جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا یعنی یہودی اور نہ گمراہوں یعنی نصاریٰ کا راستہ۔ یہ لوگ توحید اور ایمان کو چھوڑ کر گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔ لہذا ان کے راستے سے پناہ مانگی گئی ہے۔ جو بھی فرد یا قوم ابنیت کے عقیدے کو اپنائے گی، یا خدا تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک بنائیگی، وہ گمراہ ہوگی۔

جب بندہ یہ الفاظ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطلوبہ چیز کے عطا کا اعلان کیا جاتا ہے۔ یہ الفاظ نسائی شریف^۱ کے ہیں۔ البتہ بعض الفاظ کی کمی بیشی سے بخاری اور مسلم شریف میں بھی ہیں۔ حدیث کی تمام کتابوں میں سورۃ فاتحہ کو سورۃ الصلوٰۃ کا نام دیا گیا ہے۔ اسمائے سورۃ کے بیان کے بعد اب نماز میں سورۃ فاتحہ

۹۹

کا حکم عرض کیا جائے گا۔

نماز میں سورۃ فاتحہ کا حکم

کل سورۃ فاتحہ کے وہ نام عرض کیے تھے جو مختلف احادیث میں آئے ہیں سورۃ فاتحہ کو نماز کے ساتھ خاص تعلق ہے، اسی لیے اس کا ایک نام سورۃ الصلوٰۃ بھی ہے۔ آج کے درس میں سورۃ فاتحہ کو نماز میں پڑھنے کے حکم سے متعلق مختصر طور پر عرض کیا جاتا ہے۔

ارکان نماز

نماز میں بعض ارکان یا فرائض ہیں، بعض سنن اور بعض مستحبات ہیں۔ اگر نماز میں کوئی فرض ترک ہو جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے اس کو لوٹانا پڑتا ہے تبکیر تحریمہ فرائض میں شامل ہے، بعض اس کو شرط کہتے ہیں، تاہم اس کے لازم ہونے میں کوئی شبہ نہیں، جب تک کوئی شخص تبکیر تحریمہ نہیں کہے گا، نماز میں داخل نہیں ہو سکتا۔ نماز میں قرأت کرنا بھی فرض ہے۔ قرآن پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی، رکوع، سجود بقدر استطاعت قیام اور آخری قعدہ یہ سب ارکان صلوٰۃ ہیں۔ آخری قعدہ کے متعلق فقہائے کرام میں کچھ اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اس کو رکن قرار دیتے ہیں مگر بعض دیگر آئمہ اس رکن کو تسلیم نہیں کرتے مگر اس کے ضروری ہونے کے وہ بھی قائل ہیں۔ اسی طرح قرأت یعنی قرآن پاک کی تلاوت بھی نماز کا رکن ہے۔ قرأت کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ فرض نماز کی دونوں رکعتوں میں قرأت فرض ہے اور اگر نماز تین یا چار رکعت والی ہے تو اس کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔ وتر، سنن

یا نوافل کی ہر رکعت میں قرأت ضروری ہے۔

مطلق قرأت

جیسا کہ پہلے عرض کیا۔ قرأت سے مراد قرآن کریم کا پڑھنا ہے۔ اب اس مسئلہ فرض ہے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے کہ آیا مطلق قرأت فرض ہے یا سورۃ فاتحہ بھی فرض ہے امام ابو حنیفہؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے تمام شاگرد کہتے ہیں۔ کہ نماز میں مطلق قرأت فرض ہے۔ قرآن پاک کا کوئی بھی حصہ نماز میں پڑھ لیا جائے تو فرض ادا ہو جائے گا اس میں سورۃ فاتحہ کی تخصیص نہیں ہے اُن کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ منزل میں فرمایا ہے۔ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ قرآن میں سے جو حصہ بھی میسر ہو، پڑھو یعنی جتنا یاد ہو یا جتنا ممکن ہو، پڑھ لو تو نماز ہو جائے گی۔ سورۃ فاتحہ ہو یا قرآن کریم کا کوئی حصہ ہو، اس کے پڑھنے سے نماز ادا ہو جائیگی۔ قرآن سے یہی بات ثابت ہے۔

سورۃ فاتحہ

البتہ ترمذی شریف اور موطا امام مالک میں حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت منقول واجب ہے کہ جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے فِہی خِذَاجٌ غَیْرُ تَمَامٍ وہ نماز ناقص ہے اور نامکمل ہے۔ اسی لیے امام ابو حنیفہؒ اور بعض دیگر ائمہ فرماتے ہیں کہ مطلق قرأت تو فرض ہے مگر سورۃ فاتحہ واجب ہے۔ واجب سے مراد یہ ہے کہ اس کا درجہ فرض سے کچھ کم اور سنت سے زیادہ ہے۔ اگر سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے تو نماز باطل تو نہیں ہوگی مگر ناقص اور نامکمل ہوگی۔ سورۃ فاتحہ کے ساتھ قرآن پاک میں سے کم از کم ایک لمبی آیت یا تین چھوٹی آیتیں یا اس سے زیادہ ملا نا بھی واجب ہے اگر کوئی شخص صرف سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے، اس کے ساتھ کوئی دوسری سورۃ نہیں ملا تا تو اس سے واجب ترک ہوتا ہے۔ اگر اس کا تدارک سجدہ سے کر لے گا تو نماز ادا ہو جائے گی، اسی

طرح اگر کوئی شخص فاتحہ نہیں پڑھتا بلکہ کوئی دوسری سورۃ پڑھ لیتا ہے تو یہ بھی ترکِ واجب ہوگا اور سجدہ سہو سے تلافی ہو سکے گی، غرضیکہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا اور اس کے ساتھ قرآنِ پاک کا کوئی دوسرا حصہ ملانا واجب ہے، نہ کہ رکن یا فرض۔ اس سلسلے میں صحاح ستہ میں بہت سی احادیث موجود ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے تمام شاگرد کہتے ہیں کہ نمازی کی تین حالتیں ہیں اور ہر حالت کا حکم الگ ہے۔ نمازی کبھی منفرد ہوتا ہے یعنی اکیلا نماز پڑھتا، کبھی امام ہوتا ہے کہ دوسروں کو نماز پڑھاتا ہے اور کبھی مقتدی کی حیثیت میں امام کے پیچھے نماز ادا کرتا ہے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اکیلا نماز پڑھتا ہے تو اس کے لیے سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی دوسری سورۃ ملانا بھی ضروری ہے۔ جب کوئی شخص بطور امام نماز پڑھتا ہے، تو وہ سورۃ فاتحہ بھی پڑھے گا اور اس کے ساتھ کوئی دوسری سورۃ بھی ملائے گا۔ البتہ جب کوئی شخص مقتدی بن کر امام کے پیچھے نماز ادا کرتا ہے تو اس کے ذمہ قرأت نہیں بلکہ اس کے لیے استماع اور انصات ہے۔ وہ خاموشی کے ساتھ امام کی قرأت کو سُنے گا۔ ایسا شخص نماز کے تمام آداب بجالائیگا، تمام ارکان پورے کیگا مگر قرأت کرنا اس کے ذمے نہیں ہے۔ نمازی کی یہ تین حالتیں ہیں جنہیں آپس میں خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔

امام بخاریؒ نے حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت بیان کی ہے۔
لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ یعنی سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس ضمن میں عرض ہے کہ یہ روایت نامکمل ہے۔ امام مسلمؒ نے آگے فصلاً ۳ کا لفظ نقل کیا ہے جو کہ صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے اور اسے امام مسلم

امام بخاری
کا استدلال

نکے علاوہ نسائی اور ابوداؤد نے بھی نقل کیا ہے۔ اور پورا جملہ یوں ہے کہ اُس شخص کی نماز نہیں جو سورۃ فاتحہ اور کچھ زائد نہیں پڑھتا۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ حکم منفرد نمازی کے لیے ہے۔ اگر اکیلا آدمی نماز پڑھتا ہے، تو اس کے لیے سورۃ فاتحہ اور کوئی دوسری سورۃ ملانا دونوں ضروری ہیں۔ ان کے بغیر نماز نہیں ہوگی مگر مقتدی کے لیے یہ حکم نہیں ہے۔ لہذا جو لوگ سورۃ فاتحہ کو ضروری قرار دیتے ہیں، وہ باقی حصے کو کیوں ضروری قرار نہیں دیتے۔ لہذا یہ مطلق قرأت کا حکم ہے۔ اگر منفرد یا امام ہے، تو اس کو سورۃ فاتحہ اور کچھ زائد پڑھنا ہوگا، مگر مقتدی کا یہ حکم نہیں ہے اصل بات یہی ہے نماز میں صرف قرأت سے متعلق بہت سی احادیث آئی ہیں۔ حضرت

ابوسعید خدریؓ کی روایت میں آتا ہے اَمَرَنَا اَنْ نَقْرَأَ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَمَا تَبَيَّنَ حُضُورُ عَلِيِّهِ السَّلَامُ نَعْنِي هُمْ يَحْكُمُ دِيَاكُمُ سُوْرَةُ فَاتِحَةٍ بِيْطْعَانٍ وَرَبُّنَا حَسْبُهُ

ہو وہ بھی پڑھیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں آتا ہے اَمَرَني رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اُنَادِيَ اَنَّهُ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَا زَادَ مِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَعْنِي هُمْ يَحْكُمُ دِيَاكُمُ سُوْرَةُ فَاتِحَةٍ بِيْطْعَانٍ وَرَبُّنَا حَسْبُهُ

زائد پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی، اس طرح ایک اور شخص کا واقعہ بھی حدیث میں آتا ہے حضور علیہ السلام خود مسجد میں تشریف فرما تھے، ایک شخص آیا، اُس نے نماز پڑھی، پھر آکر حضور علیہ السلام کو سلام کیا، آپ نے فرمایا جاؤ جبکہ نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اُس نے دوبارہ نماز پڑھی اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے پھر کہا کہ جاؤ جبکہ نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی جب تیسری دفعہ بھی آپ نے ایسا ہی فرمایا تو اُس شخص نے عرض کیا کہ حضور! پھر آپ ہی بتائیں کہ میں کس طرح نماز پڑھوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب تم نماز کے لیے

اُڑ تو پہلے طہارت کرو، پھر قبلہ رو کھڑے ہو کر تکبیر کہو۔ پھر جو میسر ہو قرآن پڑھو، پھر رکوع کرو سجدہ کرو اور پھر آخر میں قعدہ بیٹھ کر سلام پھیر دو۔ غرضیکہ آپ نے تعلیم کے طور پر فرمایا کہ جتنا میسر ہو قرآن پڑھو۔ آپ نے سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا نماز کا رکن نہیں ہے۔ اسی لیے احناف کا مسلک یہ ہے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ اور دوسری سورۃ کا پلانا دونوں واجب ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک ترک ہو جائے تو سجدہ سہو سے تلافی ہو جائیگی۔

فاتحہ خلف الم

اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ والی حدیث مسلم شریف، ابو داؤد، نسائی، ہذا احمد، ابن حبان وغیرہ تمام کتب احادیث میں موجود ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب نماز پڑھو تو تکبیر کہو اور جس وقت امام قرأت کرے ادا قرأ فَاَنْصِتُوا تو تم خاموش رہو۔ یہ درجہ اول کی صحیح حدیث ہے۔ اس کے علاوہ مؤطا امام مالک کی یہ روایت بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلَاةِ، یعنی جس نے نماز میں رکوع کو پایا، اُس نے نماز کو پایا۔ رکعت کا معنی ارکعت بھی ہے اور صرف رکوع بھی۔ رکوع میں شامل ہونے سے نمازی سورۃ فاتحہ تو نہیں پڑھتا مگر اُس کی رکعت شمار ہو جاتی ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ مقتدی کے لیے لازم نہیں ہے بلکہ امام کی قرأت ہی اس کو کفایت کر جائیگی۔ اسی طریقے سے حضرت جابرؓ والی روایت، طحاوی شریف اور مؤطا امام محمد میں ہے۔ آپ نے فرمایا مَنْ كَانَ لَهُ اِمَامٌ فَقَرَاءَةُ الْاِمَامِ كَقَرَاءَةِ يَعْنِيْ جَوَامِمْ کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت شمار ہوگی، لہذا اُسے خود قرأت کرنے کی ضرورت نہیں۔

۱۔ مسلم ص ۱۷۲، ہذا احمد ص ۴۱۵، نسائی ص ۱۴۶، ابو داؤد ص ۸۹، مؤطا امام مالک ص ۲

۲۔ طحاوی ص ۱۴۹، ابن ماجہ ص ۶۱، ہذا احمد ص ۳۳۹، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۷۷، مؤطا امام محمد ص ۹۹

وہ خاموش کھڑا ہے۔

ترمذی شریف^۱ میں حضرت جابرؓ کی روایت موجود ہے کہ جس شخص نے نماز پڑھی اور اُس نے فاتحہ نہ پڑھی تو گویا اُس نے نماز ہی نہ پڑھی إِلَّا أَنْ يَكُونَ وَرَاءَ الْإِمَامِ سوائے اس حالت کے کہ وہ امام کے پیچھے یعنی مقتدی ہو۔ اسی طرح مؤطا امام محمد^۲ میں حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد بھی موجود ہے مَنْ صَلَّى خَلْفَ الْإِمَامِ كَفَتْهُ قِرَاءَةُ الْإِمَامِ جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی اُسے امام کی قرأت کفایت کر جاتی ہے اس کو علیحدہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ امام مسلم^۳ نے حضرت زیدؓ کی روایت بھی نقل کی ہے کہ جب اُن سے قرأت خلف امام کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْإِمَامِ فِي شَيْءٍ امام کے ساتھ نماز پڑھنے میں کسی چیز میں قرأت نہیں ہے، نماز خواہ سری ہو یا جہری، صحابہ کرام میں سے صرف دو صحابہ عبادہ ابن صامتؓ اور محمود ابن ربیعؓ کا نام ملتا ہے کہ وہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مؤطا کی فارسی شرح میں لکھتے ہیں کہ خواندن فاتحہ با امام در صحابہ شائع نہ بود یعنی صحابہ کرام میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا مشہور نہیں تھا کوئی اکاد کا ہی پڑھتا ہوگا، ورنہ سب خاموش رہتے تھے، چنانچہ امام ابو حنیفہؒ، امام سفیان ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ سب کا مسلک یہی ہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے، خواہ سری نماز ہو یا جہری۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب امام قرأت کر رہا ہو تو تم خاموش رہو اور سنو۔ یعنی جب امام بلند آواز سے قرأت کر رہا ہو تو تم سنو اور جب دل میں پڑھ رہا ہو تو تم خاموش رہو، دونوں باتوں پر عمل ہو جائے گا۔

۱۔ ترمذی شریف ص ۱۱۷

۲۔ مؤطا امام محمد ص ۹

۳۔ مصنفی شرح فارسی ص ۱۳۱

۴۔ مسلم ص ۲۱۵

امام شافعیؒ اہم مالکؒ اور امام احمدؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص سری نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے تو اس کو ثواب ملیگا، کہ یہ مستحب ہے۔ فرض یا واجب نہیں ہے کہ ضرور ہی پڑھے، البتہ امام شافعیؒ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ فاتحہ کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے۔ امام صاحب پہلے عراق میں مقیم تھے، اُس دوران وہ فاتحہ خلف الامام کو ضروری قرار دیتے تھے۔ پھر جب مصر تشریف لے گئے تو وہاں پر بڑے بڑے اہل علم کے ساتھ بحث مباحثہ ہوا تو آپ نے اس مسئلہ سے رجوع کر لیا۔ چنانچہ آپ کے دو قول ہیں۔ آپ قول قدیم کے مطابق فاتحہ خلف الامام ضروری قرار دیتے تھے مگر قول جدید کے مطابق آپ نے اپنی کتاب الام میں لکھا ہے کہ جس نماز میں امام بلند آواز سے قرأت کر رہا ہو، اس میں مقتدی کو سورۃ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیئے۔ ہاں سری نماز میں پڑھنا مستحب ہے۔ فرض واجب نہیں ہے۔

مسک امام
بخاری بیہقی

امام بخاریؒ اور امام بیہقیؒ دونوں حضرات فاتحہ خلف الامام کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ امام ترمذیؒ نے لکھا ہے کہ بعض حضرات نے اس معاملہ میں تشدد کیا ہے ان میں سے امام بخاریؒ تیسری صدی ہجری کے اور امام بیہقیؒ چوتھی صدی کے محدث ہیں ان کا مسلک یہ ہے کہ جو شخص نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اُس کی نماز ہی نہیں ہوتی حالانکہ امام بخاریؒ کے استاد حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں کہ جو آدمی نماز میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز صحیح ہے۔ غرضیکہ یہ دو آئمہ کرام فاتحہ خلف الامام کو لازم قرار دیتے ہیں

۱۔ معنی ابن قدامہ ص ۵۵ ۲۔ البدایہ والنہایہ ص ۲۵۲

۳۔ کتاب الام ص ۱۶۶ ، ۴۔ ترمذی ص ۱۷۱

مسکب
امام ابو حنیفہؒ

نماز میں سورۃ فاتحہ کا جو حکم ہے، وہ میں نے مختصراً عرض کر دیا اور اس میں مختلف آئمہ کا مسکب بھی بیان کر دیا۔ بعض لوگ غلط پراپیگنڈا کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ حدیث کے مطابق عمل نہیں کرتے۔ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ امام صاحب ان تمام احادیث پر عمل کرتے ہیں جن کی صحت کے متعلق آئمہ میں اتفاق ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے دونوں قسم کی روایات منقول ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فاتحہ خلف امام کے قائل نہیں ہیں۔ مگر بعض سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید وہ بھی قائل ہوں، اگر قائل ہیں تو وہ بھی استحباب کے درجے میں، فرض واجب نہیں سمجھتے۔ تینوں آئمہ کرام فرماتے ہیں کہ فاتحہ خلف امام صرف سری نمازوں میں مستحب ہے۔ جہری نماز میں قرأت کرنا امام کے ساتھ جھگڑا کرنے کے مترادف ہے، البتہ امام ابو حنیفہؒ امام اوزاعیؒ اور امام سفیان ثوریؒ کا مسکب یہ ہے کہ فاتحہ خلف الامام نہ سری نماز میں پڑھے اور نہ جہری میں۔ نماز کی تین حالتیں پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ تینوں کا الگ الگ حکم ہے، لہذا اس کے مطابق ہی عمل کرنا چاہیے۔

خلاصہ
بحث

خلاصہ بحث یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص منفرد نماز پڑھتا ہے یا بطور امام نماز پڑھتا ہے تو وہ سورۃ فاتحہ بھی پڑھیگا اور اس کے ساتھ دوسری سورۃ بھی ملائے گا۔ اور اگر نمازی کسی امام کے پیچھے مقتدی ہے تو وہ خاموش ہے گا اور امام کی قرأت کو سنے گا کیونکہ اس کے لیے امام کی قرأت کفایت کر جائے گی۔ امام ابو حنیفہؒ کا مسکب احادیث کے مطابق ہے اور اس سے تمام احادیث پر عمل ہو جاتا ہے۔ روایت کے ایک حصے پر عمل کرنا اور دوسرے حصے کو چھوڑ دینا مناسب نہیں ہے اہم ترمذی فرماتے ہیں کہ بعض نے تشدد کیا، تشدد کرنا ٹھیک نہیں، بلکہ بات ہمیشہ دلیل کیساتھ ہونی چاہیے۔ پھر دیکھیں کہ قوی دلائل کدھر ہیں چنانچہ قوی دلائل امام ابو حنیفہؒ کے مسکب کی حمایت میں ہیں لہذا امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ① الرَّحْمَنِ
الرَّحِيمِ ② مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ③

ترجمہ، سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو پرورش
کرنے والا ہے سب جہانوں کا ① جو بے حد مہربان۔
نہایت رحم کرنے والا ہے ② جو مالک ہے انصاف
(جزا) کے دن کا ③

اس سے پہلے سورۃ فاتحہ کے متعلق ضروری باتیں عرض کی جا چکی ہیں اور
کل سورۃ فاتحہ کے نماز میں پڑھنے کے حکم کا ذکر تھا۔ اب سورۃ کے الفاظ اور ان
کی مختصر تشریح عرض کی جاتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ سب تعریفیں

اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے۔ یہاں پر لفظ
اَلْحَمْدُ جنس کے درجے میں مطلق ہے اور مطلب یہ ہے کہ ازل سے

لے کر اب تک تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ حمد کا معنی تعریف ہے

اور امام ابن جریرؒ اسے شکر پر بھی محمول کرتے ہیں، گویا حمد شکر کا معنی بھی دیتا ہے۔

لہذا یہ شکر کا کلمہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بہت ہی پسندیدہ کلمہ ہے، کیونکہ

اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر یہ بھی ادا ہوتا ہے۔ الحمد دُعا کا کلمہ بھی

ہے۔ جب ان الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ

کی مہربانیاں انسان کی طرف متوجہ ہو جاتی ہیں اُسے دُعا کرنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی اور اس کا مقصد خود بخود پورا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے

أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ الْحَمْدُ لِلَّهِ يَعْنِي سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ هُوَ کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر ہے اور تمام دُعاؤں میں افضل دُعا الْحَمْدُ لِلَّهِ۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سجدے کی حالت میں اِن الفاظ کے ساتھ دُعا کیا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَشْهَدُ بِكَ اَنْتَ كَمَا اَشْهَدُ بِكَ عَلٰی نَفْسِكَ اے مولا کریم! میں تیری تعریف بیان نہیں کر سکتا، تو دیا ہی ہے جیسے تو نے خود اپنی تعریف بیان فرمائی ہے مخلوق میں کون ہے جو پورے طریقے سے اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کر سکے پوری مخلوق اللہ تعالیٰ کی کما حقہ تعریف کرنے سے عاجز ہے، تاہم ہر شخص حتی المقدور اپنے پروردگار کی حمد بیان کرتا ہے جس سے اُس کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔

منہ احمد کی روایت میں آتا ہے۔ اِنَّ رَبَّكَ يُحِبُّ الْحَمْدَ تیرا پروردگار حمد اور تعریف کو پسند فرماتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ جب کوئی بندہ کوئی چیز کھاتا پیتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرتا ہے اور کہتا ہے الْحَمْدُ لِلّٰهِ تَوَالِدُ اللّٰهُ تعالیٰ اپنی خوشنودی کا اظہار فرماتا ہے اور کہتا ہے حَمْدِي عَبْدِي مِیرے بندے نے میری تعریف بیان کی ہے، اور میرا شکر ادا کیا ہے۔ صحیح حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے الْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ یعنی کلمہ الحمد للہ سے اللہ تعالیٰ کا میزان پُر ہو جاتا ہے۔ نیز یہ بھی کہ سبحان اللہ اور الحمد للہ کو ملا کر پڑھنے سے

زمین و آسمان کی درمیانی فضا پُر ہو جاتی ہے، ان کلمات کے اتنے اثرات اور ثمرات ہیں اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جہاں بھی اہل ایمان کی صفت بیان کی ہے۔ وہاں خدا تعالیٰ کی تعریف بیان کرنے کو اُن کی ایک صفت کے طور پر ظاہر کیا ہے جیسے فرمایا ^۳التَّائِبُونَ الْعَبِدُونَ الْحَامِدُونَ (التَّوْبَةُ) اللہ تعالیٰ نے غلطی کے ارتکاب پر توبہ کرنے والوں، عبادت گزاروں اور اُس کی حمد بیان کرنے والوں کی تعریف کی ہے۔ ایک حدیث میں حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے کہ آخری امت کے لوگوں کا ایک لقب حمادون ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ تعریف بیان کرنے والے ہوں گے۔

ہر حالت
میں حمد

حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ مومن ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرتا ہے حتیٰ کہ اگر اُس کا کوئی عزیز بھی اُس کی آنکھوں کے سامنے جان دے رہا ہو، تو مومن پھر بھی الحمد للہ ہی کہتا ہے۔ جب کوئی شخص پورے اعتقاد کے ساتھ یہ کلمہ ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ اس شخص کے لیے جنت میں بیت الخمد تعمیر کرو۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ مومن ہمیشہ یہی کہتا ہے ^۴لَعْدُوْهُمُ الْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ وَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ حَالِ الْاٰہِلِ السَّارِ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ ہی کی حمد و ثنا ہے اور میں دوزخ والوں کے خال سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں۔ خدا تعالیٰ اس حالت میں کسی کو نہ لے جائے۔

صفت
ربوبیت

امام ابن جریر ^۵ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ الحمد لله شکر کا کلمہ اس طرح ہے کہ جب کوئی شخص دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے وجود بخشا ہے، جسم دیا ہے

۱۔ سنن دارمی ص ۱۵ ۲۔ منہاج احمد ص ۱۴ ۳۔ ابن ماجہ ص ۲۴

۴۔ تفسیر ابن کثیر ص ۲۱، تفسیر طبری ص ۵۹

صحت و تندرستی عطا کی ہے، پاک روزی اور نیک اولاد دی ہے۔ ان ظاہری نعمتوں کے ساتھ ساتھ باطنی انعامات کے طور پر ایمان لانے کی توفیق بخشی ہے، علم عطا کیا ہے، سمجھ دی ہے، اچھی نیت اور اچھا اخلاق مرحمت فرمایا ہے، تو اس کی زبان سے بے ساختہ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ آواہو جاتا ہے، یعنی سب تعریفیں اس مالک الملک کے لیے ہیں جو تمام جانوں کا پرورش کرنے والا ہے۔ اس طرح گویا انسان اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔

لفظ "رب" کا معنی

رب کا لفظی معنی تربیت کرنے والا ہے اور مراد ہر چیز کو آہستہ آہستہ بتدریج حدِ کمال تک پہنچانا ہے۔ ہر صفت کا اپنا اپنا مفہوم ہوتا ہے جیسے ابداع کا معنی ایجاد کرنا اور خلق کا معنی پیدا کرنا، اسی طرح ربوبیت کا معنی تربیت کرنا، پرورش کرنا حالاً فی الحال آہستہ آہستہ بتدریج یعنی جس ٹیپج پر جس چیز کی ضرورت ہو اس کو بہم پہنچا کر حدِ کمال تک پہنچانا۔

لفظ "عالم" کا مفہوم

یہاں پر لفظ عالمین ذکر کیا گیا ہے جو کہ عالم کی جمع ہے۔ لفظ عالم علامت کے ماخوذ سے ہے۔ کائنات میں جتنے بھی جہان ہیں اور ان جانوں میں جو چیزیں پائی جاتی ہیں۔ وہ سب اللہ تعالیٰ کی صناعت اور کاریگری کی علامت ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہر جہان کو عالم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ہر مصنوع اپنے صانع کی علامت اور نشانی ہوتی ہے تو کائنات کی تمام چیزوں کو دیکھ کر آدمی سمجھ جاتا ہے کہ یہ کسی کاریگر کی بنائی ہوئی ہیں۔ لہذا وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے پر مجبور ہو جاتا ہے پھر جب کوئی شخص مزید غور و فکر کرتا ہے تو وہ جان لیتا ہے کہ ہر مخلوق کی تمام ضروریات مہیا کرنے والا بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہ پکار اٹھتا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ کہ اس کے علاوہ کوئی رب نہیں، ہر چیز کو بتدریج حدِ کمال تک پہنچانے والی وہی ذات ہے۔

امام ابن جریرؒ، امام ابن کثیرؒ، امام ابن کثیرؒ اور بعض دوسرے مفسرین کرام بیان کرتے ہیں عالموں کی کل تعداد اٹھارہ ہزار ہے۔ ہم انسانوں کے جہان میں رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ملائکہ کا جہان ہے، جنات کا جہان، بزم خ، حشر اور آخرت کے جہان ہیں اور پھر اس سطح ارضی پر، درندوں، پرندوں اور چرندوں کے الگ الگ جہان ہیں۔ کوئی مکھیوں کا جہان ہے، کوئی کیڑوں مکوروں کا جہان ہے۔ نباتات اور جمادات کے جہان ہیں۔ اور پھر پانی کے اندر مچھلیوں اور دیگر بے شمار آبی جانوروں کے جہان ہیں۔ ہم چونکہ انسانی عالم میں رہتے ہیں اس لیے ہم اسی سے بحث کرتے ہیں، قرآن کریم کا موضوع بھی عالم انسانیت کی تکمیل ہی ہے۔ لہذا باقی جانوں کو زیر بحث لانا مقصود نہیں ہے۔ بہر حال لفظ رب العالمین سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ تمام کے تمام جہانوں کی پرورش کرنے والا وہی خدا تعالیٰ ہے لہذا تمام تعریفیں بھی اُسی کے لیے ہیں فرمایا تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پرورش کنندہ ہے نَزَلَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ وہ بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ یہاں پر رحمان اور رحیم دو صفات کا ذکر کیا گیا ہے اور دونوں مباغے کے صیغے ہیں، البتہ لفظ رحمان میں عمومیت پائی جاتی ہے۔ امام بیضاویؒ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ رحمان کو رحمان الدنیا کہا جاتا ہے کیونکہ اس جہان میں اللہ تعالیٰ کی عمومی رحمت ہر کس و ناکس کے لیے ہے اور اس میں مومن اور کافر کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں بلا تخصیص ہر ایک کو میسر ہیں، یہ اُس کی صفت رحمت کا ظہور ہے۔ تاہم جہاں تک صفت رحیمیت کا تعلق ہے یہ اپنی تمام تر اضافیت کے باوجود اہل ایمان کے لیے مخصوص ہے اس لیے اس کو رَحِيْمٌ الْخَيْرُ

صفت رحمان
اور رحیم

کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا ظہور اس کے خاص بندوں پر ہوگا جو اس دنیا میں ایمان لائے، اس کی وحدانیت کو تسلیم کیا اور اس کے احکام کے مطابق زندگی بسر کی آخرت میں ایسے لوگوں پر بے حد و بیشمار انعامات ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان کو نجات دے گا۔ اور بلند مقام تک پہنچائے گا۔ بہر حال رحمان اور رحیم دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ان صفات کو سمجھنے کے لیے روزمرہ پیش آنے والی مثالیں کافی ہیں۔ ایک دفعہ جنگ کے موقع پر ایک عورت کا شیر خوار بچہ گم ہو گیا، بچہ اسی ماں بچے کی جدائی میں نیم پاگل ہو گئی۔ دیوانہ وار ادھر ادھر دوڑنے لگی اور جو بھی شیر خوار بچہ ملتا اس کو اپنا بچہ سمجھ کر سینے سے لگاتی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا تو صحابہؓ سے فرمایا کہ دیکھو اس عورت کا بچہ گم ہو گیا ہے اور یہ اس کے لیے کس قدر پریشان ہے کیا اس عورت کے لیے ممکن ہے کہ اتنے پیارے بچے کو یہ خود آگ میں ڈال دے صحابہؓ نے عرض کیا، حضور! ایسا تو نہیں ہو سکتا، جو عورت اپنے بچے کے لیے اس قدر تڑپ رہی ہے وہ اسے آگ میں کیسے ڈال سکتی ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ یاد رکھو! خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر اس ماں سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ خود ہی انہیں جہنم میں ڈال دے۔ یہ تو خود انسان ہیں جو اپنے مالک کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں اور کفر و شرک کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو جہنم کا مسزوار بناتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو انسانوں پر نہایت ہی مہربان ہے۔ ایک دفعہ دوران سفر ایک صحابی کہیں سے چڑیا کے بچوں کو پکڑ کر اپنی چادر میں ڈال لایا۔ چڑیا سخت پریشان ہوئی اور چادر کے اوپر منڈلانے لگی۔ جب اُس صحابی نے چادر کھولا تو چڑیا فوراً بچوں پر گم پڑی، اس نے بچوں کی محبت میں خود اپنی گم فاری کی بھی

پڑہ نہ کی، یہ واقعہ جب حضور علیہ السلام کے سامنے بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا، ایسا نہ کرو۔ جاؤ ان بچوں کو اسی درخت پر چھوڑ آؤ جہاں سے اٹھایا تھا۔ پھر آپ نے یہ بات سمجھائی کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے جانوروں میں بھی اتنی محبت رکھی ہے کہ وہ اپنے بچوں پر زیادتی کو برداشت نہیں کر سکتے، خدا تعالیٰ نے انہیں اتنا شعور دے رکھا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گائے بھینس اور بکری وغیرہ کے دل میں اس قدر محبت ڈال دی ہے کہ وہ زمین پر پاؤں رکھنے سے پہلے تسلی کر لیتی ہے کہ کہیں اس کا بچہ نیچے نہ آجائے پھر آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سوحصے ہیں، جن میں سے صرف ایک حصہ اُس نے اپنی تمام مخلوق پر تقسیم کیا ہے اور باقی ننانوے حصے اپنے پاس رکھے ہیں، اس دُنیا میں انسانوں حیوانوں، چرندوں اور پرندوں کے دلوں میں اپنی اولادوں کے لیے جتنی محبت موجود ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا صرف ایک حصہ ہے جب قیامت کا دِن آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس ایک حصے کو باقی ننانوے حصوں کے ساتھ ملا کر پورے سو درجے کی مہربانیاں اپنے اہل ایمان بندوں پر فرمائے گا۔ اب جب کہ انسانی سوسائٹی پر اللہ تعالیٰ کی بہت سی مہربانیاں جلوہ گر ہیں تو ہر انسان خصوصاً اہل ایمان پر صفت رحمانیت اور رحیمیت کے اثرات نظر آنے چاہئیں اس کی عملی صورت کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے اِرْحَمُوا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ تم زمین میں رہنے والے انسانوں پر رحم کرو۔ بلند یوں میں رہنے والا پروردگار تم پر رحم فرمائے گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا مَنْ لَا یَرْحَمْ لَا یُرحَمْ جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا، اُس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا

ایک دوسرے پر رحم

خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنِّیْ حَرَمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ مِیْنِیْ نے ظلم کو اپنے
نفس پر حرام کر رکھا ہے فَذَلٰۤی قَطَّالْحُمُوْاۤیْے لوگو! تم بھی ایک دوسرے پر ظلم نہ
کیا کرو۔ کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے۔

روزِ جزا

آگے ارشاد ہے مِلَّکٌ یَّوْمِ الدِّیْنِ جو جزا کے دِن کا مالک ہے۔ دِن کا
معنی اطاعت بھی ہوتا ہے اور مِلَّت بھی اسی لیے دِن الانبیاء سے مراد انبیاء علیہم السلام
کی مِلَّت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ دِن کا معنی بدلہ اور جزا بھی ہوتا ہے اور اس کا معنی
انصاف بھی ہوتا ہے اس مقام پر یہی معنی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر بے حد
مہربانیاں کی ہیں، ان پر بڑے انعامات فرمائے ہیں، اُن کے لیے ہدایت کے راستے
متعین کیے ہیں مگر یہ پھر بھی دنیا میں ظلم و زیادتی کے مرتکب ہوتے ہیں، ایک دوسرے
کا حق غصب کرتے ہیں جس کا ازالہ بسا اوقات اس دُنیا میں نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ چونکہ
احکم الحاکمین ہے، وہ اپنے بندوں پر ظلم و زیادتی کو برداشت نہیں کرتا، لہذا اُس نے
اپنے پاس انصاف کا ایک دِن مقرر کر رکھا ہے جس دِن اس دنیا میں کی گئی ہر زیادتی کے
متعلق ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہوگا اور ہر ایک کو اُس کی کارکردگی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا،
اسی کو یوم الدین کہا گیا ہے اور اس دِن کا مالک بھی خود خدا تعالیٰ ہے، اُس دِن ہر ایک
کو پورا پورا انصاف مہیا ہوگا۔ اس دُنیا میں تو غلط فیصلے بھی ہو جاتے ہیں۔ کسی کے ساتھ
زیادتی ہوتی ہے اور کسی کی حق رسی نہیں ہوتی، مگر انصاف کے دِن آخری اور قطعی فیصلہ
ہوں گے اور ہر ایک کو انصاف دلایا جائے گا۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے، لوگو! حقوق ادا کرو، ورنہ قیامت کے دِن
بہت رسوائی ہوگی۔ انسانوں کا معاملہ تو اور ہے اللہ تعالیٰ جانوروں کو بھی انصاف دے

بغیر نہیں چھوڑے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک بے سینک بکری کو سینک والی
 بکری سے انصاف دلایا جائے گا، کیونکہ اس کے ساتھ اس دنیا میں زیادتی کی گئی تھی۔
 انسان تو مکلف ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر نعمت سے سرفراز فرمایا ہے، پھر یہ کیسے
 ممکن ہے کہ اس دنیا میں کسی پر زیادتی ہو اور اس کا بدلہ نہ دلایا جائے۔ انصاف کے
 دن سب کے ساتھ ٹھیک ٹھیک انصاف ہوگا اور ہر ایک کو اس کے کپے کی جزا
 ملے گی۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ④

ترجمہ :- ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں ④

عبادت و استعانت
میں مختص

سورة الفاتحة کی پہلی تین آیات میں غائبانہ طریقے پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی گئی تھی اور اب چوتھی آیت کلمہ میں اللہ تعالیٰ سے براہ راست خطاب ہے، بندہ اپنے مالک حقیقی سے مخاطب ہوتا ہے کہ اے پروردگار! جس کا ذاتی نام اللہ ہے اور جس کی صفات رب، رحمان، رحیم اور مالک ہیں، بندہ اُس کے حضور عرض کرتا ہے، إِيَّاكَ نَعْبُدُ ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ اور خاص تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ امام زرخشری اور امام بضاوی اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں لَمْ نَخْصُصْكَ بِالْعِبَادَةِ وَالْإِسْتِعَانَةِ یعنی ہم خاص کرتے ہیں تجھ کو عبادت اور استعانت کے ساتھ۔ کائنات میں کوئی اور ایسی ہستی نہیں ہے جس کی عبادت کی جاسکے یا جس سے استعانت (مدد طلب) کی جائے۔ استعانت مراد مافوق الاسباب غائبانہ مدد ہے اور یہ صرف ذات خداوندی کے ساتھ مخصوص ہے، اسی طرح عبادت بھی سوائے خدا تعالیٰ کے کسی اور کی روا نہیں ہے۔

ضمیر میں
تقدم و تاخر

اس آیت کریمہ میں إِيَّاكَ مفعول کی ضمیر ہے اور عربی زبان کا اسلوب کلام یہ ہے کہ مفعول یا اُس کی ضمیر، فعل اور فاعل کے بعد آتی ہے مگر یہاں پر مفعول کی ضمیر إِيَّاكَ کو پہلے لایا گیا ہے جب کہ فعل اور فاعل نَعْبُدُ اور نَسْتَعِينُ کو مؤخر کر دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں علم معانی والے کہتے ہیں کہ جس لفظ کا حق مؤخر ہوتا ہے جب

اُسے مقدم لایا جائے تو اس سے متعلقہ مقصد کا حصہ مطلوب ہوتا ہے اور اُسے مفعول کے ساتھ بند کر دیا جاتا ہے۔ اس آیت میں مفعول کی ضمیر کو مقدم لانے کا مطلب یہ ہے کہ عبادت اور استعانت صرف ذاتِ خداوندی میں بند ہے، یہ چیز کسی دوسری ذات کے ساتھ روا نہیں رکھی جاسکتی۔ اسی لیے آیت کا معنی یہ کیا جاتا ہے کہ اے پروردگار! ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔

عبادت و استعانت
میں تقدم و تاخر

امام محمد ابن ابی بکر بن عبد القادر رازی نے مسائل القرآن کے نام سے ایک مختصر سی تفسیر لکھی ہے جس میں صرف ان آیات کی تشریح بیان کی گئی ہے جن میں کچھ پیچیدگی پائی جاتی ہے یا جن پر بعض اعتراضات اٹھائے گئے ہیں۔ اس مقام پر امام رازی نے یہ نقطہ اٹھایا ہے کہ اس آیت کریمہ میں عبادت کا پہلے ذکر ہے اور استعانت کا بعد میں۔ حالانکہ عام فہم بات یہ ہے کہ پہلے استعانت طلب کی جاتی اور پھر عبادت کی بات ہوتی۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگی جاتی ہے اور پھر اس توفیق کے بعد عبادت کی جاتی ہے کیونکہ قرآن پاک میں موجود ہے وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ اُس کی توفیق کے بغیر کوئی انسان کچھ نہیں کر سکتا۔

اس عقدے کو امام صاحب نے خود ہی اس طرح حل کیا ہے کہ عبادت کی ایک قسم توحید فی العبادت بھی ہے یعنی صرف خدا و الجلال ہی کی عبادت کرنا۔ اور عبادت موقوف ہے اصلاح عقیدہ پر۔ جب تک عقیدہ درست نہیں ہوگا کوئی عبادت درست نہیں ہوگی قرآن پاک میں موجود ہے فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعِيدٍ (انبیاء) جو شخص مومن ہو کر کوئی نیک عمل کرے تو اس کے کام کی ناقدری نہیں کی جائے گی بلکہ اس کی سعی

مشکور ہوگی۔ تو فرماتے ہیں کہ عقیدہ کی درستگی چونکہ بنیادی چیز ہے اور اسی پر ہر عمل کا دارومدار ہے، لہذا اِیَّاکَ ذُبِّدْ کو پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کو مؤخر کیا گیا ہے۔

مردم خیر
خطہ

امام محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر رازی جنہوں نے مذکورہ تقدم و تاخر کا مسئلہ بیان کیا ہے۔ شہر ری کے رہنے والے تھے، کسی زمانے میں یہ بڑا مردم خیر خطہ تھا، اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین میں بڑے بڑے ویندار لوگ پیدا کیے ہیں۔ یہی امام محمد بن ابی بکر رازی ہیں جنہوں نے قرآن پاک کی تفسیر کے علاوہ مختار الصحاح کے نام سے لغت کی کتاب بھی لکھی۔ امام ابو بکر جصاص رازی بھی اسی سرزمین کے رہنے والے تھے آپ نے بھی قرآن پاک کی نہایت عمدہ تفسیر لکھی ہے۔ احکام القرآن کے نام سے تین ضخیم جلدوں میں یہ تفسیر صرف ان آیات کی ہے جن میں احکام بیان کیے گئے ہیں مثلاً حلال و حرام کے احکام، صوم و صلوٰۃ، جہاد، صدقہ خیرات وغیرہ کے احکام۔ اس قسم کی تفسیر آپ کے بعد بھی لوگوں نے لکھی ہے مگر امام جصاص کی تفسیر کے پایہ کی کوئی دوسری تفسیر نہیں ہے۔ آپ چوتھی صدی کے حنفی مسلک کے امام تھے۔ اسی طرح امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ سلطان محمد غوری کے زمانے میں چھٹی صدی کے آخر میں ہوئے، آپ کی وفات ۶۰۶ھ ہے آپ بھی اسی مردم خیر خطہ ری میں ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ اس سرزمین نے اور بھی بہت سے قابل اور دین سے محبت رکھنے والے فرزند پیدا کیے ہیں۔

عبادت میں
خلوص

بہر حال امام محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر رازی نے یہ نقطہ بیان فرمایا ہے، کہ جب تک عقیدہ درست نہ ہو عبادت میں خلوص پیدا نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے

ہے **لُبَابُ الْقُرْآنِ فِي الْحَوَامِيْمِ السَّبْعَةِ** یعنی قرآن کریم کا خلاصہ حم سے شروع ہونے والی سات سورتوں میں ہے اسی طرح سورۃ یس کو قرآن پاک کا قذیب کہا گیا ہے۔ ان سب میں مشترک چیز یہی ہے **فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ** (النمر) یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس حالت میں کہ عبادت میں اخلاص کرنے والے ہو۔ امام ابو بکر حباصؓ فرماتے ہیں کہ اخلاص اُسی وقت پیدا ہوگا جب ایمان پاک ہوگا اور اس میں کفر، شرک، نفاق، شک اور الحاد کی ملاوٹ نہیں ہوگی۔ اگر ایمان میں ان چیزوں کی ملاوٹ ہوگی تو اخلاص پیدا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حوامیم سبعہ میں یہی بات سمجھائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہایت اخلاص کے ساتھ کرو جس کے لیے سب سے پہلے عقیدے کی درستگی ضروری ہے۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ انسانی جسم میں ایک لو تھڑا ہے اگر وہ صحیح ہے تو سارا جسم صحیح ہے اور اگر وہ لو تھڑا بگڑا ہوا ہے تو سارا جسم ہی بگڑا ہوا ہے فرمایا الا وہی القلب یاد رکھو وہ لو تھڑا دل ہے۔ اس کی اصلاح پر سارے جسم کا دار و مدار ہے۔ قلب مرکز اخلاق ہوتا ہے۔ ایمان، کفر، اخلاص، شک، تردد، محبت اور نفرت اس میں ہوتے ہیں، لہذا اس کی صحت ضروری ہے۔ اسی طرح سورۃ یس کو قرآن پاک کا دل کہا گیا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں چار بنیادی حقائق یعنی توحید، رسالت، وحی الہی اور قیامت کے مسائل نہایت عمدگی کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ گویا جس طرح حوامیم میں عقیدے کی درستگی اور توحید پر زور دیا گیا ہے اسی طرح سورۃ یس میں بھی یہی چیز بیان کی گئی ہے۔ تو امام ابو بکر رازیؓ فرماتے ہیں کہ **اَيَّاكَ نَعْبُدُ** کو مقدم لانے سے یہی مقصود ہے کہ پہلے عقیدہ پاک ہو جائے تو اس کے بعد باقی امور انجام دیے جائیں گے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی فرماتے ہیں کہ انسان کی حقیقی سعادت اللہ تعالیٰ کی عبادت پر موقوف ہے۔ اگر انسان اللہ کی صحیح طریقے سے عبادت کریں گے تو اُن کو سعادت نصیب ہو سکے گی، اس کے بغیر کوئی آدمی سعادت مند نہیں ہو سکتا۔ اس دنیا کی سعادت کے تو بہت سے ذرائع ہیں جیسے مال و دولت کا مل جانا، کسی پارلیمنٹ کا ممبر بن جانا، اقتدار حاصل ہو جانا، زن و فرزند کا حاصل ہو جانا وغیرہ مگر حقیقی سعادت اخلاص فی العبادت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

اللہ اور بندوں

کا حق

حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی سفر کے دوران حضرت معاذؓ حضور علیہ السلام کے ساتھ سواری پر پیچھے بیٹھتے تھے۔ راستے میں آپ نے حضرت معاذؓ سے پوچھا، معاذ! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ عرض کیا، حضور! اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ پھر آپ نے خود ہی فرمایا کہ اللہ کا حق اپنی اشرف مخلوق پر ہے اَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا کہ بندے صرف اُسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہر انسان پر ہے، جو اس کی خلاف ورزی کرے گا، اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بنے گا۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا، معاذ! کیا تم جانتے ہو کہ بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر کیا ہے؟ انہوں نے پھر عرض کیا، حضور! اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب بندے صرف خدا وحدہ لا شریک ہی کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے تو پھر بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے اَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ کہ وہ اُن کو عذاب نہیں کریگا بلکہ جنت میں داخل کر دے گا۔ سورۃ یونس میں فرمایا کَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنَجِّ الْمُؤْمِنِيْنَ

یہ بات ہمارے ذمے ہے کہ ہم اہل ایمان کو نجات دے دیں گے۔ سورۃ روم میں فرمایا
وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم
مؤمنوں کی مدد کریں۔

اس مقام پر یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ انسان کا خالق اور مالک ہے
اس لیے اُس کا حق تو بندوں پر ہے مگر انسان بحیثیت مخلوق اور مملوک ہونے کے اللہ تعالیٰ
پر کوئی حق نہیں رکھتے۔ تاہم جیسا کہ قرآن پاک سے اخذ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے
کرم اور مہربانی کے ساتھ بندوں کے بعض حقوق اپنے ذمے لے رکھے ہیں، ورنہ کسی
مخلوق کو اللہ تعالیٰ پر کوئی حق قائم کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ اس قسم کے حقوق کی بات
دیگر احادیث میں بھی ملتی ہے جیسے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص کسی دوسرے
آدمی کی عزت و آبرو کی حفاظت کرتا ہے، تو ایسے شخص کے لیے اللہ کے ذمے یہ
حق ہے کہ وہ اُسے آخرت کی پریشانیوں سے بچائے۔ بہر حال اس قسم کے حقوق
اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی سے اپنے ذمے لے رکھے ہیں۔

الوہیت
کی شرائط

بندے اپنے اللہ کے حضور اقرار کرتے ہیں اِيَّاكَ نَعْبُدُ پروردگار ہم صرف
تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس لیے ضروری ہے کہ وہ الہ
یعنی معبود ہے اور الوہیت کی بعض شرائط ہیں جو صرف خدا تعالیٰ کی ذات میں پائی
جاتی ہیں، لہذا عبادت بھی اُس کی ضروری ہے۔

الوہیت کی پہلی شرط واجب الوجود ہونا ہے، یعنی عبادت کے لائق وہ ہستی
ہے جس کا وجود خود بخود ہے اور کسی دوسری ہستی کا عطا کردہ نہیں۔ یہی چیز خدا تعالیٰ
کو باقی مخلوق سے ممتاز کرتی ہے۔ باقی ہر چیز کا وجود خدا تعالیٰ کا عطا کردہ ہے جب کہ

اُس کا اپنا وجود خود بخود ہے۔ فارسی میں اللہ تعالیٰ کو خدا اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اُس کی ذات خود بخود ہے۔

الوہیت کی دوسری شرط قادر مطلق ہونا ہے۔ یعنی عبادت صرف ایسی ہستی کی ہو سکتی ہے جو اپنی مشاء کے مطابق جو چاہے کرے اور اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اسی لیے قرآن پاک میں جگہ جگہ آتا ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور وہی قادر مطلق ہے۔

الوہیت کی تیسری شرط علیم کل ہونا ہے۔ عبادت صرف اُسی ذات کی ہو سکتی ہے جو کائنات کے ذرے ذرے سے واقف ہو اور کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہ ہو۔ یہ شرط بھی صرف اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہے۔ ہر چیز کا ازلی ابدی علم صرف اُسی کے پاس ہے وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ وہی ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اُس کا علم ذرے ذرے پر محیط ہے مخلوق میں سے مقرب ترین ہستیاں انبیاء، فرشتے حتیٰ کہ سید الانبیاء اور جبرائیل علیہ السلام کا علم بھی محدود ہے اور علیم کل صرف ذات خداوندی ہے۔

الوہیت کی چوتھی شرط خالق ہونا ہے۔ ہر چیز کا پیدا کرنے والا بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ قرآن پاک میں صراحت کے ساتھ موجود ہے اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (النم) ہر چیز کو پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔ نَزَّلَ آلَآءَ لَهٗ الْخَلْقِ وَالْاَمْرُ (الاعراف) پیدا کرنا بھی اُسی کا کام ہے اور ہر چیز پر حکم بھی اُسی کا چلتا ہے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا اَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ (النحل) کیا پیدا کرنے والا اور پیدا نہ کرنے والا برابر ہو سکتے ہیں، ہرگز نہیں۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ (فاطر) کیا اللہ کے سوا کوئی دوسرا خالق بھی ہے جو تمہارے لیے آسمان اور زمین سے روزی کے

سامان پیدا کرتا ہے؟ جواب پھر وہی آتا ہے کہ کوئی نہیں۔

غرضیکہ فرمایا کہ عبادت کے لائق وہی ذات ہو سکتی ہے جس میں یہ چار شرائط پائی جائیں۔
یعنی وہ واجب الوجود ہو، قادر مطلق ہو، علیم کل ہو، اور خالق ہو۔ یہ چاروں شرائط چونکہ صرف
ذات باری تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ لہذا عبادت کے لائق بھی وہی ذات ہے۔ اسی
لیے بندوں کی زبان سے کہلوایا گیا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ اے پروردگار! ہم صرف
تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ کسی اور کی عبادت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

توحید کے
چار درجات
امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ توحید کے چار درجات ہیں۔ ان
میں سے دو درجات میں تو سب مومن، کافر، مشرک وغیرہ متفق ہیں۔ مگر باقی دو درجات میں
کفار و مشرکین اہل ایمان سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

توحید کا پہلا درجہ واجب الوجود ہونا ہے۔ اس پر سب متفق ہیں کہ واجب الوجود
صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، صرف اُس کا وجود خود بخود ہے۔ باقی ہر
مخلوق کا وجود عطائی ہے۔ توحید کا دوسرا درجہ صفتِ خلق ہے۔ کسی سے پوچھیں ہر
چیز کا خالق کون ہے تو کہیں گے کہ خدا تعالیٰ، ایشور یا گاڈ GOD ہے۔ صرف
دہریوں کی قلیل تعداد کے علاوہ باقی تمام مذاہب اللہ تعالیٰ ہی کو خالق مانتے ہیں۔
گویا ان دو درجات میں سب کا اتفاق ہے۔

توحید کا تیسرا درجہ تدبیر ہے۔ یہاں اگر کافر و مشرک اہل ایمان سے علیحدہ ہو
جاتے ہیں۔ ایمان والوں کا نظریہ یہ ہے کہ ہر چیز کا تدبیر کنندہ یعنی مدبر اللہ تعالیٰ ہی
ہے۔ سورۃ السجده میں موجود ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا السَّمٰوٰتِ
الْاَرْضِ مُبْدِيُوْنَ كُلِّ شَيْءٍ لِّمَدَبِّهِ تَعَالٰی ہر چیز کی تدبیر کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے

یہاں آکر نجومی (ستارہ پرست) اور مشرک علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ نجومی ستاروں کو مدبر مانتے ہیں۔ اور قبر پرست قبر والوں سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں۔ پیر پرست اپنے پیروں کو مدبر جانتے ہیں، بعض لوگ فرشتوں، جنات اور بھوت پرست کے ساتھ اپنی توقعات وابستہ کرتے ہیں مگر اہل ایمان صرف اللہ تعالیٰ کو ہی مدبر حقیقی مانتے ہیں۔

توحید کا چوتھا درجہ عبادت کا ہے، عبادت انتہائی درجے کی تعظیم کا نام ہے یہاں پر بھی لوگ شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ایمان والے کہتے ہیں کہ عبادت صرف اُسی ذات کی ہو سکتی ہے۔ جو واجب الوجود، قادر مطلق، علیم کل، نافع ضار اور ہر چیز میں متصرف ہے، مگر مشرک لوگ عبادت میں بھی دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ عبادت قولی بھی ہوتی ہے اور فعلی بھی۔ عبادت مال سے بھی ہوتی ہے اور نذر و نیاز میں بھی۔ مشرکین نے قبروں اور بتوں کی پوجا شروع کر دی، کسی نے جنات اور فرشتوں کو معبود بنالیا، نجومیوں نے ستارہ پرستی شروع کر دی، نصاریٰ نے مسیح علیہ السلام کو معبود بنالیا اور یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہ دیا مگر صحیح ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی دوسری ذات کو شریک نہ کیا جائے اسی لیے یہاں پر فرمایا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ اے مولا کریم! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور اس میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتے۔ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اور استعانت بھی تیری ہی ذات سے طلب کرتے ہیں۔ ہم عبادت اور استعانت تیری ذات کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔ تیرے سوا کوئی ذات اس کی اہل نہیں ہے۔ عبادت کے بارے میں مزید کچھ عرض کیا جائے گا۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ④

ترجمہ :- ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں ④

ایضاً

سورة کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس کی صفات بیان کی گئیں، اس کے ذاتی نام اللہ اور صفاتی نام رب، رحمان، رحیم اور مالک کا ذکر کیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ سے براہ راست خطاب کیا گیا **إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ** اے مولا کریم! تو جو ان صفات کا مالک ہے، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ عبادت کے بارے میں پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ صرف اُسی ذات کی ہو سکتی ہے جو واجب الوجود، قادر مطلق، علیم کل اور خالق ہو۔ الوہیت کی صفات چونکہ صرف اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں، لہذا عبادت کا مستحق وہی ہے۔

عبادت کی
تعریف

امام بیضاویؒ اور بعض دیگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عبادت کہتے ہیں - **أَقْصَى غَايَةِ التَّعْظِيمِ** یعنی انتہائی درجے کی تعظیم، مگر یہ تعظیم اس اعتقاد کے ساتھ پیدا ہونی چاہیئے کہ جس ذات کی تعظیم کی جا رہی ہے وہ واجب الوجود، قادر مطلق، علیم کل اور نافع و ضار ہے عبادت گزار یا تعظیم کنندہ کے دل میں یہ نچتہ یقین ہونا چاہیئے کہ یہ تعظیم اُس ذات کے لیے کی جا رہی ہے جو تمام اشیاء میں تصرف کرنے والی زندہ کرنے والی، ماسنے والی، روزی دینے والی اور شفا بخشنے والی ہے۔ پھر تعظیم قول سے بھی ہوتی ہے، عمل سے بھی اور مال سے بھی۔ اسی لیے ہم قدرے میں پڑھتے ہیں۔ **الْحَيَاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَواتُ وَالطَّيِّبَاتُ** یعنی تمام بدنی، قولی اور مالی عبادتیں اللہ

ہی کے لیے ہیں۔ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو خالق، مالک، قادر، مختار، نافع، ضار اور معطر سمجھنے کے باوجود اپنی حاجات اُس کے سامنے پیش کرنے کی بجائے کسی دوسری ہستی کے سامنے پیش کرتا ہے تو ایسا شخص آزاد اور شریف نہیں ہوگا بلکہ غلام اور مشرک سمجھا جائیگا۔ کیونکہ وہ اپنی ضروریات اپنے حقیقی مالک کے سامنے پیش کرنے سے قاصر ہے۔

عبادت کے متعلق مفسرین کرام یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ عبادت یا تو ثواب حاصل کرنے کی غرض سے کی جاتی ہے اور یا اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچنے کے لیے چنانچہ قرآن پاک میں اکثر انبیاء کے تذکرے میں سورۃ انبیاء میں ہے **يَذْعُرُونَ كَا رَغْبًا وَرَهْبًا** وہ ہمیں پکارتے ہیں، ہمارے سامنے دستِ دعا پھیلاتے ہیں ہماری نعمتوں میں رغبت کرتے ہوئے اور ہماری گرفت سے ڈرتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس لیے بھی کی جاتی ہے کہ انسان کو اُس کے ہاں غفلت، بزرگی اور شرافت حاصل ہو، یا عبادت اس لیے کی جاتی ہے کہ مجبور برحق وہی ہے۔ وہی خالق ہے اور عبادت گزار اُس کا بندہ ہے اور بندے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مالک کی تعظیم بجالائے۔ چنانچہ جب کوئی انسان پوری کائنات میں غور و فکر کرتا ہے تو اُسے یقین آجاتا ہے کہ اس کائنات کا مالک اور متصرف وہی ہے، ہر چیز پر اُسی کا کنٹرول ہے، لہذا عبادت بھی اُسی کی ہو سکتی ہے اور اس میں کسی دوسری ذات کو شریک نہیں کیا جاسکتا۔

عبادت
کی غایت

خاندان
شاہ ولی اللہ

برصغیر پاک و ہند میں دین کے جو بڑے بڑے امام اور پیشوا گزرے ہیں، اور جنہوں نے اپنی زندگی کی تمام توانائیاں دین اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دیں ان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور خاندان شاہ ولی اللہؒ کو امتیاز حاصل ہے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، آپ کے چاروں فرزند، آپ کے شاگردانِ رشید اور پھر شاگردوں کے

شاگرد علمائے دیوبند نے دین کی بے حد خدمت کی ہے۔ دین کی تبلیغ کے لیے درس گاہیں قائم کی گئیں، کتابیں لکھی گئیں اور خاص طور پر قرآن کی تشریح میں کارہائے نمایاں انجام دیے گئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے فرزند شاہ عبدالعزیزؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو اپنے والد محترم کے شاگرد اور پھر آپ کے جانشین ہوئے۔ آپ نے فارسی زبان میں قرآن پاک کے کچھ حصے کی تفسیر لکھی ہے، جس کے متعلق حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ تفسیر مکمل ہو جاتی تو کہا جاسکتا تھا کہ حضور علیہ السلام کی امت پر تفسیر قرآن پاک کا جو فریضہ عاید ہوا تھا، وہ مکمل ہو گیا مگر افسوس کہ وہ تفسیر پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ چونکہ آپ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے، لہذا آپ نے تفسیر کا ابتدائی حصہ املا کرایا، زندگی بھر میں نہ دی اور یہ کام نامکمل رہ گیا۔ اس تفسیر میں شاہ صاحب نے قرآن پاک کو بہترین طریقے سے سمجھایا ہے۔ خود امام شاہ ولی اللہؒ جذبہ دین سے سرشار ہو کر فرماتے ہیں کہ اسلام اور اہل اسلام کی خیر خواہی مختلف زمانوں میں مختلف طریقوں سے ہوتی رہی ہے آپ اپنے دور کی بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں القا کیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ دین کو ایک مکمل شکل میں ظاہر کیا جائے، چنانچہ آپ نے ”حجۃ اللہ البالغہ“ جیسی عظیم کتاب لکھی۔ اس کتاب کے ذریعے آپ نے دین کا فلسفہ، شرائع، قوانین اور پورا نظام بہترین طریقے سے سمجھائے ہیں۔

بہر حال شاہ عبدالعزیزؒ اپنی تفسیر میں عبادت کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں ”حقیقت عبادت تصحیح نسبت عبودیت است“ یعنی عبادت دراصل بندے کی اپنے معبود کی نسبت کی درستگی کا نام ہے۔ اگر یہ نسبت درست نہ ہو سکی تو عبادت نہیں ہوگی۔ فرماتے ہیں کہ نسبت کی تصحیح اس طرح ہوگی کہ انسان اپنے آپ کو ممکن اور

عبد اور معبود کے
درمیان نسبت

اللہ تعالیٰ کی ذات کو واجب الوجود سمجھے۔ ممکن کا مطلب یہ ہے کہ یہ وجود کسی زمانے میں موجود نہیں تھا، پھر یہ اس دنیا میں معرض وجود میں آیا۔ اور پھر ایک دور ایسا آئیگا جب یہ وجود نہیں ہوگا، تو گویا ممکن وہ ہوتا ہے جو دو عدموں کے درمیان ہو۔ آدمی اس دنیا میں آتا ہے، کئی اچھے اور بُرے اعمال انجام دیتا ہے اور پھر ایک شعلے کی طرح بجھ جاتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ دہریے، کافر یا کم علم لوگ سمجھتے ہیں کہ آدمی سر کر ختم ہو جاتا ہے حالانکہ انسانی زندگی لافانی ہے۔ اس زندگی میں ایک تسلسل ہے جو مختلف سٹیجوں سے گزرتا ہوا برقرار رہتا ہے اس دنیا میں آنے سے پہلے بھی انسانی زندگی کی ایک سٹیج تھی۔ اس دنیا میں وہ دوسری سٹیج پر آیا۔ یہاں پر اپنی مقررہ عمر گزارنے کے بعد انسان پر طبعی موت واقع ہوتی ہے اور وہ زندگی کے اگلے سٹیج میں چلا جاتا ہے پھر جب حشر کا میدان قائم ہوگا تو وہ ایک علیحدہ سٹیج ہوگی، وہاں سے گزر کر انسان اپنی آخری سٹیج پر پہنچ جائے گا۔ مطلب یہ کہ انسان فنا نہیں ہوتا بلکہ ایک سٹیج سے دوسری سٹیج کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔

بہر حال شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ عبد اور معبود کے درمیان تصحیح نسبت اسی طرح ہو سکتی ہے کہ انسان یہ سمجھ لے کہ اس کا وجود اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ جب کہ خدا تعالیٰ کا وجود خود بخود ہے۔ فرماتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کو مالک اور اپنے آپ کو مملوک خیال کرے اور یہ اچھی طرح سمجھ لے **فَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ (الانعام)** یعنی اپنے مالک کو اپنے اُوپر غالب اور خود کو مغلوب سمجھے اور جان لے کہ وہ جب چاہے اور جس طرح چاہے اپنے بندے کی گرفت کر سکتا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ نسبت کی درستگی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ بندہ خود کو مقدور اور اللہ تعالیٰ کو قادر سمجھے۔ اسی طرح بندہ اپنے آپ کو مامور اور خدا تعالیٰ کو آمر سمجھے یعنی اپنے آپ کو

اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کا تابع خیال کرے پھر یہ بھی ہے کہ بندہ اپنے آپ کو عاجز اور خدا تعالیٰ کو عزت والا سمجھے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس قسم کی نسبت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اُس نے عبادت کا مفہوم پالیا اور اُس کی عبادت درست ہو گئی۔

عبادت کی
عملی صورت

شاہ عبدالعزیزؒ عبادت کی یہ تعریف بھی کرتے ہیں کہ ”عبادت درحقیقت مشغول کردن تمام اعضاء و جوارح ظاہر و باطن در راہ او و بمرضیات او“ یعنی اپنے تمام اعضاء و قوی ظاہرہ اور باطنہ کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اُس کی مرضیات پر لگانے کا نام عبادت ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ عبادت انسان کے ظاہری اعضاء سے بھی ہوتی ہے اور باطنی اعضاء سے بھی۔ مثلاً زبان کی عبادت یہ ہے کہ انسان قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے، اس کی تسبیح اور تہلیل بیان کرتا ہے، استغفار کرتا ہے، درود شریف پڑھتا ہے، دعائیں کرتا ہے، کوئی بھی اچھا کلمہ زبان سے ادا کرتا ہے تو یہ سب زبانی عبادت شمار ہوتی ہے۔

آنکھ کی عبادت یہ ہے کہ انسان خانہ کعبہ کو دیکھے کیونکہ النَّظَرُ إِلَى الْكَعْبَةِ

عبادۃ کعبہ شریف کو محض دیکھنا بھی عبادت میں شمار ہوتا ہے۔ قرآن پاک اور دینی کتب کو دیکھنا، اللہ کے نیک بندوں کو تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے دیکھنا۔ اللہ تعالیٰ کے نشانات کو اس لیے دیکھنا کہ اُس کی قدرت سمجھیں آئے، سعدی صاحب کہتے ہیں کہ ہر درخت اور پودے کا ایک ایک پتہ پرور و گار کی معرفت کا ایک دفتر ہے بشرطیکہ کوئی اس میں غور و فکر کرے۔ بہر حال ان سب چیزوں کا دیکھنا آنکھ کی عبادت ہے

کان

اسی طرح کان کی عبادت یہ ہے کہ انسان قرآن پاک کو سنے، وعظ و نصیحت کی بات کو سنے تاکہ اللہ کی کتاب سمجھ میں آسکے، مسائل دینیہ کو سمجھنے کی غرض سے سنے۔

غرضیکہ ہر ایسی بات کا سننا جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو، اُس کی اطاعت کا جذبہ بیدار ہو اور دل میں اُس کی یاد پیدا ہو، عبادت میں داخل ہے

ہاتھ اور پاؤں

اسی طرح ہاتھ کی عبادت یہ ہے کہ انسان قرآن پاک اور دینی کتب لکھے، اللہ تعالیٰ کے اسمائے پاک لکھے، غرضیکہ ہر ایسی تحریر جو عباد اور معبود کے درمیان تعلق استوار کرنے کا باعث ہو، ہاتھ کی عبادت میں شامل ہے۔ اب اگر کوئی شخص اپنا پاؤں نیکی کے کام کے لیے اٹھاتا ہے تو یہ اس کے پاؤں کی عبادت ہوگی۔ جب کوئی شخص نماز کے لیے اٹھاتا ہے تو یہ اس کے پاؤں کی عبادت ہوگی۔ جب کوئی شخص نماز کے لیے مسجد کی طرف چلتا ہے تو اس کے ہر ہر قدم کے بدلے اُس کے نامہ اعمال میں نیکی لکھی جاتی ہے، اُس کے گناہ گرتے ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں، گویا ایک ایک قدم کے بدلے میں تین تین فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ حج کے لیے جانا، نیک لوگوں کی ملاقات کے لیے چلنا، جہاد اور تبلیغ کے لیے سفر اختیار کرنا، کسی کمزور کی مدد یا کسی کی استعانت کے لیے چل کر جانا، اچھے کام کی سفارش کے لیے کسی کے پاس جانا، سب پاؤں کی عبادت میں داخل ہے۔

اعضائے باطن

اعضائے باطن میں سے عقل کی عبادت یہ ہے کہ انسان قرآن کریم اور شریعت کے احکام میں غور و فکر کرے، ان کو سوچے سمجھے اور پھر ان پر عمل پیرا ہو جائے۔ اسی طرح نفس کی بھی عبادت ہے۔ سورۃ یوسف میں موجود ہے إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ بیشک انسان کا نفس تو اُسے بُرائی پر آمادہ کرتا ہے، اس لیے نفس کی عبادت یہ ہے کہ انسان صبر کرے، نفس کو مالوفات اور مرغوبات سے روکے، شیطانی کاموں سے باز رکھے، روزہ رکھ کر کھانے پینے اور خواہشات سے روکے، اعتکاف بیٹھے تاکہ جھوٹی سچی خبروں کی وجہ سے ذہن میں پیدا ہونے والی پریشانی پر قابو پائے، ہر مصیبت

میں صبر کا دامن تھامے رکھے، جنہذا فرع سے باز ہے۔ محرمات اور معاصی سے روکے
 ہر خرابی پیدا کرنے والی بات سے ہٹائے، غرضیکہ نفس کو تمام برائیوں سے باز رکھنا نفس کی
 عبادت ہے۔

بہر حال اپنے ظاہر و باطن کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے تابع کر دینے کا نام ہی
 عبادت ہے۔ بندے اور مالک کے درمیان تعلق کی درستگی ہی عبادت ہے اور
 اس میں قوی ہر قسم کی عبادت شامل ہیں۔ عبادت کے متعلق میں نے مختصر
 اور ضروری بیان عرض کر دیا ہے۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ④

ترجمہ :- (اے پروردگار) ہم خاص تیری ہی عبادت

کرتے ہیں اور خاص تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں ④

عباد و معبود

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات بیان کرنے کے بعد

اُسے براہِ راست خطاب کیا گیا ہے إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ اے پروردگار!

ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔

ہم تیرے سوا کسی دوسری ذات کو مستحقِ عبادت نہیں سمجھتے کیونکہ عبودیت کے

تمام شرائط تیری ذات کے علاوہ کسی دوسری ذات میں نہیں پائے جاتے، تیرے

سوا نہ کوئی خالق ہے اور نہ قادر مطلق، نہ کوئی واجب الوجود ہے اور نہ کوئی علیم کل، نہ

کوئی نافع ہے اور نہ کوئی ضار۔ مخلوق میں سے کسی کی کوئی چیز ذاتی نہیں، حتیٰ کہ اس

کا وجود بھی خدا تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ ظاہر ہے کہ جس ذات کی کوئی چیز اپنی نہیں ہے

اس میں الوہیت کی کوئی صفت ہی نہیں پائی جاتی تو وہ معبود کیسے ہو سکتی ہے؟ بِغَلَا

اس کے مخلوق میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والی اور اسی کے دروازے

کی سوالی ہے۔ سورۃ الرحمن میں موجود ہے يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ

وَالْأَرْضِ آسمان و زمین کی ہر چیز اُسی سے مانگتی ہے کیونکہ قادر مطلق وہی ہے۔

تمام اسباب پر کنٹرول اُسی کا ہے۔ بِمَتَّصِفَاتِ فی الامور وہی ہے، لہذا اُس کے علاوہ

عبادت بھی کسی کی نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی ایسا کریگا تو وہ کفر اور شرک میں مبتلا ہوگا، اس

آیت کریمہ میں یہی بات سمجھائی گئی ہے۔

اس آیت کریمہ میں دوسرا مسئلہ استعانت کا بیان ہوا ہے۔ مافوق الاسباب

استعانت بھی خدا تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے، اُس کے علاوہ کوئی بھی کسی کی مدد پر قادر نہیں ہے۔ البتہ جہاں تک دائرہ اسباب کا تعلق ہے، وہاں ایک دوسرے کی اعانت کا حکم دیا گیا ہے کہ ایک محدود دائرہ کار کے اندر ایک دوسرے کی مدد کرو، جیسا سورۃ مائدہ میں ارشاد ہے وَقَعَاوَلَوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ یعنی نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ اس کی تفصیل حضور علیہ السلام کے ارشاد مبارک سے ملتی ہے کہ اللہ کے بندو! جب تم بیمار ہو جاؤ۔ تو علاج کرو۔ بیماری میں علاج کر نیکی اجازت ہے کیونکہ جس اللہ نے بیماری کو پیدا کیا ہے اُس نے شفا کا سلسلہ بھی قائم کیا ہے اور اُسے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ حضور علیہ السلام نے

دعا میں یہی بات سکھائی ہے کہ اے مولیٰ کریم لَا شِفَاءَ إِلَّا بِشِفَائِكَ — شفا صرف تیری ہی شفا ہے تیرے بغیر کوئی بھی شفا دینے پر قادر نہیں لَا شِفَاءَ إِلَّا أَنْتَ مَالِكُ الْمُلْكِ! تیرے بغیر کوئی بھی شفا دینے والا نہیں ہے۔ شفا جمعی ہوتی ہے جب تو شفا دینا چاہے کوئی ڈاکٹر کوئی حکیم، کوئی طبیب شفا نہیں دے سکتا۔

بعض لوگ سو فیصدی گارنٹی کے ساتھ علاج کرتے ہیں جو کہ جھوٹ محض ہے۔ شفا تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ دوا یا کسی چیز میں بھی تاثیر تو اللہ کی پیدا کردہ ہے، وہ جب چاہے اسے مؤثر کر دیتا ہے اور جب چاہے اس تاثیر کو روک لیتا ہے۔ لہذا شفا بھی منجانب اللہ ہے۔ سورۃ الشعراء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ بیان موجود ہے وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ جب میں بیمار پڑ جاتا ہوں تو وہی پُر دگاہ مجھے شفا بخشتا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے تک کے ڈاکٹر اور طبیب بھی علاج کرتے تھے مگر شفا منجانب اللہ

ہی سمجھتے تھے۔ چنانچہ وہ نسخہ تحریر کرنے سے پہلے قَوْلُ الشَّافِعِيِّ کے الفاظ لکھتے تھے جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ بیشک ہم یہ دوا تجویز کر رہے ہیں مگر حقیقت میں شفا دینے والی ذات وہی ہے۔ جب تک خدا تعالیٰ دوا میں اثر نہیں ڈالے گا، شفا ممکن نہیں۔ مگر آج کل یہ سلسلہ بھی بند ہو چکا ہے۔ اب تو نسخہ بھی بِسْمِ اللّٰهِ کے بغیر ہی الٹے ہاتھ سے لکھ دیا جاتا ہے، ایسے نسخے اور ایسے علاج میں کیا برکت ہوگی؟ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بہت بڑا طبیب ہوں۔ لوگوں کا شرطیہ علاج کرتا ہوں حضور علیہ السلام نے فرمایا اللّٰهُ الطَّيِّبُ بَلْ اَنْتَ رَجُلٌ رَفِيقٌ بھئی! تم طبیب کہاں ہو؟ طبیب تو خدا تعالیٰ کی ذات ہے، وہی شفا دیتا ہے، تم تو رفیق یعنی ساتھی ہو کر دوا تجویز کرتے ہو۔ شفا تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

کوئی چیز مؤثر
بالذات نہیں

ہر چیز کی تاثیر اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور وہ جب چاہتا ہے اُس تاثیر کو روک لیتا ہے۔ لہذا کوئی چیز خود بخود مؤثر بالذات نہیں ہے۔ مثلاً آگ کی تاثیر یہ ہے کہ وہ جلاؤں والی ہے مگر جب اللہ تعالیٰ چاہے تو جلانے کی اُس تاثیر کو روک لے ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں ایسا ہی ہوا، تو معلوم ہوا کہ آگ میں جلانے کی تاثیر اُس کی ذاتی نہیں ہے اگر کوئی شخص سمجھتا ہے کہ فلاں چیز کی فلاں تاثیر اُس کی ذاتی ہے، تو ایسا شخص شرک کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ یورپ کے بڑے بڑے سائنسدان مختلف شعبوں میں لاتعداد تجربات کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کسی چیز میں کوئی ذاتی تاثیر نہیں ہے۔ وہ کہنے لگے ہیں کہ ضروری نہیں کہ جہاں علت ہوگی وہاں معلول بھی ہوگا، جہاں سبب ہوگا وہاں مسبب بھی ہوگا اور جہاں CAUSE ہوگا وہاں EFFECT بھی ضرور ہوگا بلکہ ہر علت، سبب اور CAUSE کسی مافوق الاسباب

ہستی کے حکم کا منتظر رہتا ہے کہ اگر حکم ہو تو آگے بڑھ کر اپنا کام کر دوں۔ پھر جب حکم ہوتا ہے تو سبب کا اثر ظاہر ہوتا ہے، ورنہ نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا کہ کوئی بھی چیز مؤثر بالذات نہیں ہے، بلکہ اُس میں اثر اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملتی ہے۔

حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ سورج ہر روز سجدہ کرتا ہے۔ اس کی تشریح میں محققین، مفسرین اور محدثین بیان کرتے ہیں کہ سورج کے سجدہ کرنے سے ایسا سجدہ مراد نہیں جیسا ہم سجدہ کرتے ہیں۔ بلکہ اس کی صورت ایسی ہی ہو سکتی ہے جیسے ہم خواب میں کوئی کام کرتے ہیں حالانکہ ہمارا جسم تو چارپائی پر محو خواب ہوتا ہے اور اس کے ساتھ روح حیوانی بھی موجود ہوتی ہے مگر روح انسانی کہیں سے کہیں پہنچی ہوتی ہے۔ یہ کبھی خانہ کعبہ کا طواف کرتی ہے، کبھی کسی سے ملاقات کرتی ہے، کبھی مسجد میں نماز ادا کرتی ہے، جماعت میں شریک ہوتی ہے، قیام، رکوع اور سجدہ کرتی ہے تو سورج کا ہر روز سجدہ کرنا بھی اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

پھر یہ بھی آتا ہے کہ سورج ہر قدم پر اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ اگر حکم ہو تو آگے بڑھوں، ورنہ وہیں رُک جاؤں۔ چنانچہ سورج اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ایک سمت کو رواں دواں ہے۔ پھر ایک دن ایسا بھی آئے گا جب سورج آگے بڑھنے کی اجازت طلب کرے گا تو حکم ہوگا کہ اپنی معمول کی حرکت کو روک کر اُسے معکوس کر دو۔ چنانچہ سورج کا سفر مشرق سے مغرب کی بجائے مغرب سے مشرق کی طرف شروع ہو جائے گا اور صبح سے دوپہر تک اُس کا یہ سفر جاری رہے گا۔ بہر حال کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کسی بھی چیز میں اُس کا کوئی ذاتی تصرف نہیں ہے بلکہ کائنات

کاذرہ ذرہ اپنے پروردگار کے حکم کا منتظر رہتا ہے اور اس کے حکم کے مطابق عمل کرتا ہے، گویا متصرف فی الامور صرف ذات خداوندی ہے، باقی ہر چیز اس کے حکم کے تابع ہے۔

اسباب
استفادہ
شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی تفسیر عزیزی میں حضرت سفیان ثوریؒ کے متعلق لکھا ہے کہ سورۃ فاتحہ کی تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ تو غش کھا کر گھر پڑے۔ لوگوں نے پوچھا حضرت کیا بات ہوئی۔ فرمایا جب میں نے اپنی زبان سے یہ ادا کیا کہ اے پروردگار! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں تو مجھے یکدم خیال آیا کہ اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا کہ تو اپنے دعوے میں جھوٹا ہے تو میرا کیا حشر ہوگا۔ اگر اس نے کہہ دیا کہ تو فلاں کام کے لیے حاکم سے دوستی کرتا ہے، تنخواہ لینے کے لیے فلاں شخص کے پاس جاتا ہے اور شفا کے لیے ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے تو تیرے دعویٰ میں صداقت کہاں رہ گئی، تو نے تو اسباب کو مؤثر سمجھ لیا۔ فرماتے ہیں کہ یہ خیال آتے ہی مجھ پر غشی طاری ہو گئی۔

یہ تو ان کے تقوے کی بات تھی۔ مگر ظاہری اسباب کو ترک کرنے کی بھی اجازت نہیں بلکہ عالمگیری میں یہ فتویٰ موجود ہے کہ ظاہری اسباب ترک کرنا جائز نہیں۔ اگر کوئی شخص بوقت ضرورت ان اسباب سے مستفیہ نہیں ہوتا اور مر جاتا ہے تو وہ مردار کی موت مرے گا۔ بھوک کو مٹانے کے لیے کھانا کھانا ضروری ہے، تشنگی کو رفع کرنے کے لیے پانی پینا لازم ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص ان اسباب ظاہرہ کو اختیار نہیں کرتا تو وہ قابل مؤاخذہ ہوگا۔ البتہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ان اسباب کو مؤثر بالذات نہ سمجھے بلکہ خالص اللہ تعالیٰ

پر مجروسہ کرتے ہوئے ان کو استعمال کرے۔ کیونکہ ان اسباب میں تاثیر پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اگر کھانے میں بھوک مٹانے کی ذاتی تاثیر ہوتی تو لوگ جوع الکلب کی بیماری میں مبتلا نہ ہوتے جس میں زیادہ سے زیادہ کھانے سے بھی پیٹ نہیں بھرتا بلکہ بھوک بدستور قائم رہتی ہے۔ بھوک کو روٹی نہیں مٹاتی بلکہ اللہ تعالیٰ مٹاتا ہے۔ البتہ بعض اسباب ایسے ہیں جن کے متعلق یقین نہیں ہوتا بلکہ محض گمان ہوتا ہے کہ ان سے فائدہ ہوگا۔ جیسے بیماری میں علاج کا معاملہ ہے کہ اس میں صحت یابی کا یقین نہیں ہوتا کیونکہ شفا من جانب اللہ ہے۔ لہذا علاج کرنا مسنون یا مستحب تو ہے مگر ضروری نہیں، اسی لیے بعض کامل درجے کے لوگ ایسے اسباب بھی اختیار نہیں کرتے بلکہ وہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ پر مجروسہ کرتے ہیں۔ البتہ عام لوگوں کے لیے یہی حکم ہے کہ ان اسباب کو اختیار کریں۔ بعض اسباب مہم و مقسم کے بیٹے جھاڑ پھونک، تعویذ گنہ اور غیرہ ان کو ترک کر دینا ادنیٰ قسم کے توکل میں داخل ہے۔ ہماری عبادات میں عام طور پر استغراق نہیں پایا جاتا اکثر طبیعتوں پر دہم چھائے رہتے ہیں، وسواس ہوتے ہیں، الفاظ کی ادائیگی بھی صحیح نہیں ہوتی، کئی خامیاں رہ جاتی ہیں، اس لیے ہزاروں میں کوئی اکاد کا آدمی ایسا ہوگا جس کی نماز صحیح ہو۔ کسی شخص نے حضرت مولانا حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانویؒ سے عرض کیا، حضرت! مجھے نماز کے دوران خیالات بہت آتے ہیں، آپ نے فرمایا، آتے رہیں مگر تم نماز کو ترک نہ کرو کہ ہمارے لیے یہی حکم ہے۔ اپنے طور پر کوشش کرو کہ خیالات کم سے کم آئیں مگر اس میں عام طور پر کامیابی نہیں ہوتی۔ ناہم اللہ کے کامل بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ نماز میں مکمل استغراق حاصل ہوتا ہے اور انہیں اپنے ماحول کی خبر تک نہیں ہوتی ابوداؤد شریف میں ایک صحابی کا ذکر ہے جو رات کو پہرہ دے رہا تھا۔ اس دوران اس نے نماز شروع

عبادتیں
استغراق

کر دی۔ اتنے میں دشمن کی طرف سے تیر آیا۔ جو صحابی کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ آپ نماز میں اس قدر منہمک تھے کہ جسم کا خون بہ جانے کے باوجود انہیں محسوس بھی نہ ہوا کہ ان کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آگیا ہے۔

اسی قسم کا ایک واقعہ امام ابو حنیفہؒ کا بھی آتا ہے۔ آپ باقی لوگوں کے ساتھ نماز ادا کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک سانپ چھپت سے گر پڑا۔ سب لوگ بھاگ گئے مگر امام صاحب نماز میں اس قدر مشغول تھے کہ آپ کو پتہ بھی نہ چلا کہ کیا ہو گیا ہے حضرت عروہ بن زبیرؓ مشہور تابعی اور مدینہ کے سات چوٹی کے فقہا میں سے ہوئے ہیں۔ آپ بڑے پائے کے عالم اور کمال مرتبے کے عبادت گزار تھے۔ آپ کے پاؤں میں زخم آگیا لوگ آپریشن کرنا چاہتے تھے مگر آپ اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ آخر جب وہ نماز میں منہمک ہو گئے تو آپ کے پاؤں کا آپریشن کر دیا گیا۔ آپ عبادت میں اس قدر مستغرق تھے کہ آپریشن کا پتہ تک نہ چلا۔

عבודیت کے
اثرات

عام لوگوں پر عבודیت کے اثرات ظاہر نہیں ہوتے کیونکہ وہ عبادت کی شرائط پوری نہیں کرتے۔ ہماری نمازیں اکثر اولام کا شکار ہوتی ہیں لہذا عبادت کے اثرات بھی بہت کم ہوتے ہیں۔ البتہ جو لوگ اللہ کی عبادت اچھے طریقے سے کرتے ہیں، ان پر عבודیت اور اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کے اثرات بھی ظاہر ہوتے ہیں اور ان سے کرامت کا ظہور بھی ہونے لگتا ہے۔ عבודیت کا سب سے بڑا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان کو نیکی کی توفیق مسلسل ملتی رہتی ہے۔ اگر اُس میں عبادت کا ذوق و شوق بڑھ رہا ہے تو سمجھ لو کہ نیکی کی مزید توفیق مل رہی ہے اور اس پر آثار عבודیت ظاہر ہو رہے ہیں۔ اگر کوئی شخص نیکی کے کام کرنے سے رُک گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس سے نیکی کی توفیق ہی سبب کر لی گئی ہے

ایسے شخص پر عبودیت کے کیا آثار ظاہر ہوں گے؟

بزرگان دین کے تذکرے میں بعض ایسے لوگوں کا ذکر بھی ملتا ہے کہ جن کی ظاہری حالت تو کچھ نہیں ہوتی مگر عبادت کی روح کو پالنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے مقربین میں شامل ہوتے ہیں۔ ایسے ہی بزرگوں میں شیبان راعی ہیں۔ بڑے نیک، عابد اور زاہد تھے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے ہم عصر تھے اور یہ دونوں بزرگ شیبان راعیؒ کی مجلس میں بیٹھ کر سکون حاصل کرتے تھے۔ کسی نے کہا کہ حضرت! آپ بڑے صاحب علم لوگ ہیں، محدث، فقیہ اور مجتہد ہیں مگر کجریاں چرانے والے ایک ایسے شخص کی مجلس میں جاتے ہیں جو بالکل اُن پڑھ ہے۔ نہ کسی مدرسے میں تعلیم حاصل کی ہے اور نہ کوئی سند رکھتے ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس چمروا ہے کہ وہ چیز عطا کی ہے جو ہمارے اندر نہیں پائی جاتی، لہذا ہم اس کی مجلس میں جا کر بیٹھتے ہیں۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ بھی اپنے پیرومرشد کی مجلس کا ذکر کرتے ہیں جن کے ہاتھ پر وہ مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں اُن کی مجلس کا اثر کبھی نہیں بھول سکتا۔ وہ اپنی مجلس میں جن کلمات یا کلمہ توحید کی تلقین فرماتے تھے، جو وعظ و نصیحت کرتے تھے یا وظائف بتلاتے تھے، اس کا اثر فوراً طبیعت پر ہو جاتا تھا۔ آپ کے بعد میں نے یہ اثر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی مجلس میں دیکھا ہے۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحیٰ (داماد شاہ عبدالعزیزؒ) سید احمد شہیدؒ کے ساتھ معرکہ بالا کوٹ میں شریک تھے کسی نے کہا کہ آپ تو بڑے پائے کے عالم ہیں، آپ کی بہت سی تصانیف موجود ہیں مگر آپ نے ایک ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کی ہے جو زیادہ علم نہیں رکھتا۔ کہنے لگے، تم نہیں جانتے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے وہ ہمارے پاس کہاں

ہے۔ سید صاحب کی تعلیم زیادہ نہیں تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اُن پر بڑا فضل فرمایا تھا۔ اور اُن کو اعلیٰ درجے کی روحانیت عطا کر رکھی تھی۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بڑے پائے کے عالم اور بزرگ تھے۔ کسی نے کہا کہ آپ نے حاجی امداد اللہ مہاجر کیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے حالانکہ وہ زیادہ علم نہیں رکھتے۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ حاجی صاحب کے پاس ظاہری علم کم ہے مگر ہم نے ان کی بیعت اس لیے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عسارت اُن کے قلب میں پیدا کی ہے، وہ ہمارے اندر کہاں ہے؟ ہم تو وہ حرارت حاصل کرنا چاہتے ہیں جو اُن کے قلب میں ہے۔

حضرت عبدالعزیز دہلویؒ بھی نویں و سوئیں صدی کے بہت بڑے بزرگ ہوئے ہیں۔ بظاہر ان پڑھتے تھے مگر اُن کے ملفوظات اُن کے شاگرد مبارکؒ نے اپنی کتاب الابریزہ میں جمع کیے ہیں۔ جب بھی آپ قرآن و حدیث کے متعلق کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو توفیق ایزدی سے بالکل صحیح صحیح جواب دیتے، اللہ تعالیٰ نے ایسی روحانیت اور ملکہ عطا فرمایا تھا۔

شیبان راعیؒ جن کا ابھی ذکر ہوا، جنگل میں بکریاں چراتے تھے، اس دوران جنابت کی حالت لاحق ہو گئی۔ مگر غسل کے لیے پانی نہیں تھا اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا، پروردگار! میں تیرا عاجز بندہ ہوں، سوائے تیرے میرا کوئی آسرا نہیں، مجھے نماز پڑھنا ہے مگر طہارت کی صورت نظر نہیں آرہی ہے۔ اتنا عرض کرنا تھا کہ بارش شروع ہو گئی، آپ نے غسل کر کے نماز ادا کی۔ آپ ہی کے متعلق ذکر آتا ہے کہ جب جمعہ کا دن آتا تو بارگاہ رب العزت میں عرض کرتے، مولا کریم! شہر میں

میں جا کر جمعہ کی نماز ادا کرنا ہے۔ مگر بکریوں کی دیکھ بھال کرنے والا بھی کوئی نہیں۔ پھر خود ہی بکریوں کو ایک جگہ جمع کر کے اُن کے ارد گرد ایک دائرہ کھینچ دیتے اور جمعہ کے لیے چلے جاتے اللہ تعالیٰ اُن کی حفاظت کرتا اور کوئی بکری دائرے سے باہر نہ نکلتی۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عبودیت کے اثرات بعض لوگوں پر ظاہر ہو جاتے ہیں مگر بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ساری عمر نہایت انہماک کے ساتھ عبادت کرتے ہیں مگر کوئی کرامت ظاہر نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے کہ آثار کا اظہار بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ چاہے تو ظاہر کرے اور اگر نہ چاہے تو نہیں ہوتے بہر حال اللہ کے بند ایسے ہمیشہ رہتے ہیں جو اللہ پر مکمل بھروسہ رکھتے ہیں۔ خالص اسی کی عبادت کرتے ہیں، شرک سے سخت بیزار رہتے ہیں اور ان پر عبودیت کے اثرات بھی ظاہر ہوتے ہیں جیسا کہ ان بزرگوں کے واقعات سے پتہ چلتا ہے

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے ایک دفعہ دل میں خیال کیا کہ رات کو دو رکعت ایسی نماز پڑھوں جس کے دوران وسوسے نہ آئیں۔ کہتے ہیں کہ میں نے سو رکعت نماز ادا کی مگر اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ صبح کے وقت اپنے پیر و مرشد سید احمد شہیدؒ کے سامنے ذکر ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے میرے پیچھے صرف دو رکعت ادا کر لو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دو رکعتوں کے دوران ایسی کیفیت پیدا کر دی کہ ہمیشہ کے لیے نماز میں حضور قلب حاصل ہو گیا۔

یہ عبودیت کے آثار ہیں جو اللہ کے نیک بندوں پر ظاہر ہوتے ہیں مگر اکثر لوگ یہاں پر غلطی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کسی بزرگ کی کرامت دیکھی تو اسے بزرگ کا ذاتی فعل سمجھ کر اُس کی پوجا شروع کر دی حالانکہ درحقیقت نبی کا حجرہ اور ولی کی کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ اس کو ذاتی سمجھ کر ہی لوگ شرک میں مبتلا ہوتے ہیں۔ نصاریٰ نے

حقیقت
معجزہ و کرامت

مسیح علیہ السلام کے معجزات دیکھے تو انہیں خدا بنا دیا۔ اللہ کے ولی کی کرامت دیکھ
 کر لوگ اپنی کوسب کچھ سمجھ لیتے ہیں کہ یہی لینے دینے والے ہیں حالانکہ وہ اللہ کا بندہ
 تو آثار عبودیت میں ہوتا ہے۔ اللہ چاہے تو کوئی چیز ظاہر کر دے اور نہ چاہے تو نہ کھنے
 وہ مالک ہے، نہ چاہے تو نبی کی دعا بھی جلدی قبول نہ کرے۔ حضرت موسیٰ اور
 صارون علیہما السلام کی دعا چالیس سال کے بعد قبول ہوئی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا
 ہے۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ کی دعائیں کبھی فوراً قبول ہو گئیں، کبھی دیر سے اور کبھی قبول نہیں
 ہوئیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے تصرف میں ہے، لوگ یہیں پر آکر غلطی کرتے
 ہیں، وہ اللہ کے فعل کو بندے کی طرف منسوب کر کے شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ⑤

دِکھلا ہم کو سیدھا راستہ ⑤

اللہ کی
شرط

گزشتہ درس میں عبادت و استعانت کا بیان تھا اور میں نے ان کا مفہوم عرض کر دیا تھا کہ عبادت کا تعلق تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے اور اس کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں جو عبادت کے لائق ہو۔ جہاں تک استعانت کا تعلق ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی شرط ہے۔ مدد کرنا اُسی ذات وحدہ لا شریک کا کام ہے اس کے علاوہ مافوق الاسباب مدد کرنے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں ایک واقعہ قلمبند کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ اونٹ پر سوار ایک دیہاتی مسجد نبوی میں آیا۔ اونٹ کو باہر چھوڑا اور خود مسجد میں آکر اطمینان سے نماز ادا کی۔ پھر جب فارغ ہو کر باہر نکلا تو اونٹ موجود نہیں تھا۔ کہنے لگا، اے پروردگار! میں نے نماز ادا کر کے اپنی شرط پوری کر دی ہے اب مدد کرنا تیری شرط ہے لہذا تو بھی اونٹ کے معاملے میں میری مدد فرما کہ اپنی شرط پوری کر۔ کہتے ہیں کہ ابھی وہ دیہاتی دعا کر ہی رہا تھا کہ ایک شخص اونٹ کی نکیل پکڑے اُس کے پاس پہنچ گیا حالانکہ اُس شخص کا اپنا ہاتھ کٹا ہوا تھا بہر حال امام صاحب نے اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا انسان کا کام ہے اور مدد کرنا اللہ تعالیٰ کی شرط ہے۔ جب کوئی شخص اپنی عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کر لیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اُسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ سب سے پہلے بندوں نے اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کی کہ تمام تعریفیں

صراط
مستقیم

اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جانوں کا پروردگار ہے، وہ از حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ پھر نہایت خلوص کے ساتھ عرض کیا، اے مولا اکرم! ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔ اب یہاں سے دُعا کی ابتداء ہو رہی ہے۔ اللہ کے بندے اُس کے حضور عرض کرتے ہیں اِهْدِنَا

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ دُکھلا ہم کو سیدھا راستہ۔

صراطِ مستقیم کیا ہے؟ اس کی تشریح خود قرآن پاک میں موجود ہے۔ اس راستے سے مراد اسلام، دین اور توحید کا راستہ ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جس پر اللہ کے تمام انبیاء علیہم السلام گامزن ہے۔ سورۃ الحجریں جہاں ابلیس نے انسانوں کو اللہ کے راستے سے ہٹانے کا چیلنج کیا ہے، وہاں اللہ نے فرمایا ہے هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ یہی سیدھا راستہ ہے جو میری طرف آتا ہے، اس کے اصول و ضوابط قرآن پاک میں بتلا دیے گئے ہیں اور اس راستے پر چلنے والے مخلص بندوں پر شیطان کا کوئی داؤ کا میاب نہیں ہو سکے گا، یہ وہی راستہ ہے جو اللہ کی رضا اور اس کے قرب کے مقام تک پہنچانے والا ہے آگے سورۃ نحل میں آتا ہے وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے وَمِنْهَا جَائِرٌ اور بعض ٹیڑھے راستے بھی ہیں جن پر چل کر کوئی شخص منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا، یہ کفر و شرک کے شیطانی راستے ہیں، شیطان لوگوں کو ان راستوں کی طرف لے جانا چاہتا ہے مگر اسلام، دین حق اور توحید کا یہی صراطِ مستقیم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف جاتا ہے۔

سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین جو حق صرف اسلام ہے جو اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت

کا راستہ ہے، تمام انبیاء، ملائکہ اور نیک لوگ یہی راستہ اختیار کرتے آئے ہیں، یہی صراطِ مستقیم ہے۔ اللہ نے واضح طور پر فرمادیا ہے وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران) جو آدمی اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ تلاش کرے گا تو وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ اور ایسا شخص آخرت میں سخت نقصان اٹھانے والا ہوگا۔ وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکے گا، بلکہ خدا تعالیٰ کے غضب کا شکار ہو کر جہنم میں پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننا انسان کا فطری حق ہے۔ جو شخص ان فطری تقاضوں کے مطابق چلے گا، فرائض کو ادا کرے گا، نواہی سے پرہیزگاری کرے گا، وہی صراطِ مستقیم کا مسافر ہوگا۔ اور یہ وہی راستہ ہے جس کی تعلیم و تلقین تمام انبیاء کرتے آئے ہیں، لہذا انسان اللہ کے حضور عرض کرتے ہیں کہ مولا کریم! ہمیں اس صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی فرما جس پر چل کر انسان بالآخر جنت میں پہنچ جائے۔

اولین
استعاذت

صراطِ مستقیم کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے ایک دفعہ پھر ابتداء کی طرف لوٹتے ہیں۔ انسان اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنے اور اس کے اسمائے پاک کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کو سب سے پہلے کون سی استعاذت کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ تو بہر حال ذرے ذرے کو جانتا ہے مگر انسانوں کے اذہان میں یہ بات آسکتی ہے کہ انہیں سب سے پہلے کس استعاذت کی ضرورت ہے۔ اس موقع پر بھی خود اللہ تعالیٰ نے اُن کی راہنمائی فرمائی ہے اور اُن کی زبان سے کہلوا یا ہے کہ مولا کریم! سب سے پہلے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ہمیں سیدھا راستہ دکھلا دے۔ گویا انسان کی اولین ضرورت صراطِ مستقیم ہے جس پر چلنے کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے درست سوال دراز کرتا ہے۔

قوائے عقل
وفہم

اَب سیدھے رستے کو پہچاننے اور اس پر گامزن ہونے کے لیے بعض قوی کی ضرورت ہوگی۔ لہذا انسان اللہ تعالیٰ سے اُن قوتوں کا فیضان طلب کرتے ہیں۔ جن کے ذریعے وہ سیدھے اور ٹیڑھے رستے میں امتیاز کر سکیں۔ اس کے لیے عقل و ہم اور حواس ظاہرہ و باطنہ کی ضرورت ہے۔ اگر عقل ہی نہ ہو تو نہ تو انسان مکلف ہو سکتا ہے اور نہ ہدایت پاسکتا ہے۔ لہذا انسان اللہ تعالیٰ سے عقل و فہم کی درخواست کرتے ہیں۔ پھر حواس ظاہرہ ہیں جو حصول علم کے ذرائع ہیں۔ اگر انسان کو آنکھ اور کان جیسی عظیم نعمت حاصل نہ ہو تو انسان علم حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہی صراطِ مستقیم کی پہچان کر سکتا ہے اسی طرح سونگنے، ٹوٹنے اور چکھنے کے ظاہری حواس ایسے ہیں جن کے بغیر انسان بہت سی چیزوں سے محروم ہو جاتے ہیں، لہذا انسان ان تمام حواس ظاہرہ کے لیے اللہ کے حضور درخواست کرتے ہیں۔ حواس ظاہرہ کے علاوہ حواس باطنہ مثلاً حس مشترک، خیال، وہم، قوت متفکرہ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں کہ حق و باطل کی پہچان کے لیے ان کی بھی اشد ضرورت ہوتی ہے، لہذا انسان یہ دُعا کرتے ہیں کہ ہمیں یہ تمام چیزیں عطا کر دے جو ہماری ہدایت کا ذریعہ بن سکیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ کسی چیز کو کما حقہ سمجھنے کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے اس کے بغیر بھی کسی چیز کا مکمل ادراک حاصل نہیں ہو سکتا۔ تو اس دُعا میں یہ بات بھی شامل ہے کہ مولا کریم! ہمارے لیے ایسے دلائل قائم کر دے جن کے ذریعے ہم حق و باطل میں امتیاز کر سکیں اور صراطِ مستقیم کو اختیار کر سکیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ بلد میں یہ بات پہلے ہی واضح کر دی ہے کہ ہم نے انسان کو پہلے پیدا کیا، اُسے دو آنکھیں دیں، زبان اور دو ہونٹ عطا کیے وَهَدَيْنَاهُ الْمَجْدَيْنِ اور اُسے نیکی اور بدی کی دونوں گھائیوں کا علم بھی دے دیا، خیر و شر کا فلسفہ سمجھا دیا کہ یہ راستہ نیکی کی طرف جاتا ہے اور یہ بُرائی کی طرف اور پھر انسان کو اختیار دیدیا کہ وہ اپنے قوائے ظاہرہ و باطنہ

کو بروئے کار لائے اور خیر و شر میں سے کوئی سارا ستہ اختیار کر لے۔ مقصد یہ ہے کہ صراطِ مستقیم کو اختیار کرنے کے لیے جن قومی کی ضرورت ہوتی ہے، انسان اللہ تعالیٰ سے اُن کی درخواست کرتے ہیں کہ پروردگار! ہمیں یہ چیزیں عطا کر دے تاکہ ہم تیرے صراطِ مستقیم کو پہچان کر اُس پر گامزن ہو سکیں۔

علم کا اولین ذریعہ وحی الہی ہے جو اللہ کے رسولوں پر آتی ہے۔ چنانچہ صراطِ مستقیم کی راہنمائی کے لیے رسولوں کا آنا بھی ضروری ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اِیْسٰی رَسُلُ اُس کی صفت ہے۔ سُوْرَةُ السَّجْدَةِ میں موجود ہے وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اٰیْمَةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنا ہم نے رسولوں کو امام اور پیشوا بنا کر بھیجا تاکہ وہ ہمارے حکم کے مطابق انسانوں کی راہنمائی کر سکیں۔ یہ تمام انبیاء کا کام رہا ہے کہ وہ اپنی امتوں کو صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتے ہیں، لٰہِذَا اِہْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں اللہ تعالیٰ سے رسول مبعوث کرنے کی دُعا بھی شامل ہے۔

رسول اور کتب

ہدایت کے لیے آسمانی کتابوں کی بھی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر کتابیں نازل فرمائیں۔ سُوْرَةُ شُوْرٰی میں موجود ہے، اللہ نے فرمایا قُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ کِتٰبٍ اَپ کہ دین کہ میرا اُن تمام کتابوں پر ایمان ہے جو اللہ نے نازل فرمائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کے لیے حضرت شیث علیہ السلام کے صحیفوں سے لے کر زبور تک صحائف اور کتابیں نازل فرمائیں اور پھر آخر میں قرآن پاک کو نازل فرما کر ہدایت کو مکمل کر دیا۔ اگرچہ سابقہ کتب میں اُن کے پیروکاروں FOLLOWERS نے تغیر تبدیل بھی کر دیا۔ اُن میں غلط باتیں بھی داخل کر دیں مگر اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا سامان نازل فرما کر حجت تمام کر دی۔ یہ صرف قرآن پاک کو شرف حاصل ہے کہ قیامت تک یہ تحریف سے پاک ہے گا اس کے متعلق اللہ نے

سُورَةُ بَنِي إِسْرَآءِل میں فرمایا اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ اَقْوَمُ بِشَايِه
 قرآن حکیم سب سے سیدھے راستے اور سب سے سیدھی ملت کی طرف راہنمائی کرتا ہے
 بہر حال اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں یہ ساری باتیں شامل ہیں کہ
 اے مولا کریم! ہمیں ایسی قوتیں عطا فرما ایسے دلائل سمجھا جو تیرے راستے کی طرف راہنمائی
 کر سکیں۔ نیز اپنے انبیاء اور کتابوں کے ذریعے ہمیں سیدھے راستے کی طرف راہنمائی فرما۔

اسرار و
 معارف

اس دُعا میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اے خداوند قدوس! ہمارے دلوں میں ایسے
 اسرار و معارف منکشف کر دے جن کے ذریعے ہم اشیاء کو ان کی اصلی حالت میں دیکھ سکیں
 ایک دُعا میں یہ الفاظ آتے ہیں اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِيَ اَللّٰهُمَّ
 چیزوں کو اس طرح دکھا جیسا کہ وہ واقع میں ہیں بعض اوقات کسی چیز کو دیکھنے اور سمجھنے
 میں غلطی لگتی ہے۔ پیغمبر کی ذات کے سوا کوئی انسان بھی غلطی سے خالی نہیں بعض اوقات
 کوئی چیز دیکھنے میں، بعض اوقات سمجھنے میں، بعض اوقات اخذ کرنے میں اور بعض
 اوقات بیان کرنے میں غلطی سرزد ہو جاتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا بھی کی جاتی
 ہے کہ مولا کریم! ہمارے دلوں کو اسرار و معارف کے لیے کھول دے تاکہ ہم ہر چیز کو
 اُس کی اصلی حیثیت میں جان اور پہچان سکیں کیونکہ یہ چیز بھی ہدایت میں داخل ہے۔

اس کے علاوہ وحی الہی، الہام اور سچے خوابوں کے ذریعے بھی ہدایت نصیب
 ہوتی ہے۔ وحی تو صرف انبیاء پر آتی ہے۔ البتہ الہام انبیاء اور غیر انبیاء کو بھی ہوتا ہے۔
 اور روایا صادقہ (سچے خواب) ہر ایماندار کو آسکتے ہیں۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ خواب
 کے ذریعے بھی بعض چیزیں منکشف کر دیتا ہے۔ یہ سب ہدایت کے ذرائع ہیں اور
 سیدھے راستے کی تلاش میں انسان بالواسطہ ان سب چیزوں کی درخواست کرتا ہے۔

ہدایت کا
 بہترین طریقہ

انسان جس ہدایت کا طالب ہے اُس سے مراد ایسی اچھے طریقے سے راہنمائی

ہے جس میں نرمی اور لطافت ہو اور جس میں سختی اور درشتگی نہ ہو۔ ہدایت دو طریقے سے ہو سکتی ہے۔ پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ جس شخص کو راستہ معلوم نہیں ہے، کوئی دوسرا شخص اس کو دور سے راستہ دکھا دے کہ بھیٹی یہ راستہ تمہاری منزل مقصود کی طرف جاتا ہے اسے اُراءُ الطريق کہتے ہیں۔ جب انسان قرآن کریم کی تلاوت کی ابتداء کرتا ہے تو وہ اسے پہلے ہی دین صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قرآن پاک اپنے قاری کو کہتا ہے کہ یہی سیدھا راستہ ہے۔ اُسے اصول و ضوابط سمجھاتا ہے اور کہتا ہے کہ سیدھے اس راستے پر چلنا۔ اس کے دائیں بائیں کچھ کچھ ٹڈیاں ہیں، ان پر نہ چلنا ورنہ دُور نکل جاؤ گے اور منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکو گے۔ مطلب یہ کہ قرآن پاک پہلے ہی دین منزل مقصود ہی کی طرف راہنمائی کر دیتا ہے۔

ہدایت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ کسی شخص کی راہنمائی اس طریقے سے کی جائے کہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے منزل مقصود تک پہنچا دیا جائے اُسے ایصال الی المطلوب کہتے ہیں۔ ہدایت اور راہنمائی کا یہ بہترین طریقہ ہے۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمان ساری ساری عمر صراط مستقیم کی دُعا کرتے رہتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں عمر بھر سیدھا راستہ نہیں ملتا۔ یہی اعتراض دیانند سرسوتی آریہ سماجی نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے سامنے پیش کیا تھا۔ بعض عیسائی اور دیگر متعصب قسم کے لوگ بھی ایسا اعتراض کرتے ہیں مگر یہ نامعقول اعتراض ہے۔ اِھْدِنَا کُیٰ معنوں میں آتا ہے۔ اس کا معنی دکھانا بھی ہے اور منزل مقصود تک پہنچانا بھی۔ اس کا معنی ثابت قدم رکھنا بھی آتا ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالقادرؒ نے اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے ”چلا ہم کو سیدھے راستے پر“ محض دکھانا نہیں بلکہ چلانا مقصود ہے۔ امام ابن جریرؒ اس

طلب صراط
پر اعتراض

کا ترجمہ کرتے ہیں وَفَّقْنَا وَثَبَّتْنَا اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے کی توفیق عطا فرما اور پھر اس پر ثابت قدم رکھ۔ راستہ معلوم ہو جانے کے بعد اُس پر ثابت قدم رہنا بھی ضروری ہے۔ گویا یہ لفظ وسیع معنوں میں آیا ہے اور یہاں یہ سلسلے ہی معانی مراد ہیں۔ ثابت قدمی اس لیے بھی ضروری ہے کہ بعض لوگ راستہ معلوم ہو جانے کے باوجود اُس سے بٹھک جاتے ہیں۔ غلام احمد پیر وینہ، مرزا قادیانی اور بعض دیگر گمراہ فرقے ہیں جو راستہ معلوم ہونے کے بعد گمراہی میں پڑ گئے۔ لہذا انسان ہر وقت یہ دُعا کہہ لے کہ مولا کریم! ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما اور اس راستے پر ثابت قدم رکھ جو ایمان اور توحید کا راستہ ہے، جو دین اسلام اور دین توحید کا فطری راستہ ہے۔ مسترد رکھ تاکہ ہمارے پاؤں میں لغزش نہ آنے پائے۔ اس راستے کو ہمارے لیے قائم و دائم رکھ اور ہمارے لیے اس راستے کی ہدایت میں اضافہ فرما۔ قرآن پاک میں موجود ہے زِدْنَاهُمْ هُدًى ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا۔ پہلے علم کم ہوتا ہے۔ پھر جوں جوں انسان ترقی کرتا جاتا ہے اس کی ہدایت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

مفسر قرآن مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ طلبِ ہدایت ہر درجے اور مرتبے کے مطابق جاری رہنی چاہیے۔ جب کوئی انسان کسی خاص مرتبے تک پہنچ جاتا ہے تو اُس کا سفر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اُسے اگلے مرتبے تک پہنچنے کے لیے اپنی تلک دو اور سفر جاری رکھنا چاہیے۔ اُسے ہمیشہ آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے مولانا رومی نے یہ بات اس طرح سمجھائی ہے۔

اے بلور! بے نہایت درگئے است

ہر کہ بروئے میری بروئے مائست

اے بھائی! اللہ کی بارگاہ بے انتہا ہے، لہذا ہدایت کے جس مرتبے پر بھی پہنچو اس

سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو کہ پروردگار! مجھے اگلا مرتبہ عطا فرما۔ انسان کو ہر وقت ہر اُپر والے درجے کی درخواست کرنی چاہیئے۔ لہذا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کا سفر کبھی ختم نہیں ہوتا اور یہ دُعا اہل ایمان کی زبان پر عمر بھر جاری رہتی ہے۔

مادی اور
روحانی راستے

صراطِ مستقیم پر استقامت سے یہ بھی مراد ہے کہ جس راستے پر کوئی شخص گامزن ہے وہ آسان، قریب اور محفوظ ہو۔ اگر کوئی شخص کسی مادے راستے پر سفر کرنا چاہے تو وہ ایسا راستہ اختیار کرتا ہے جو حتی الامکان قریب ہو، سیدھا ہو اور صاف بھی راستے میں کانٹے یا پتھر نہ ہوں اور یہ ٹیڑھا بھی نہ ہو۔ شیخ سعدیؒ کہتے ہیں ”راہِ راست بگمچہ دورست“ سیدھا راستہ بگمچہ و اگرچہ مسافت میں کچھ دور ہی کیوں نہ ہو تاکہ ٹھکنے سے محفوظ رہ سکے۔ ہمیشہ ایسے راستے کی تلاش ہوتی ہے جو دیگر باتوں کے علاوہ مامون بھی ہو یعنی اس راستے سے کسی چور، ڈاکو یا راہزن کا خطرہ نہ ہو۔ یہ ایسا راستہ ہو جس پر سفر کے دوران کوئی مشقت نہ اٹھانی پڑے۔ اور آدمی آسانی سے منزلِ مقصود تک پہنچ جائے۔

اسی طرح روحانی راستے کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ خطرات سے خالی ہو۔ ایسے راستے پر شیطان انس اور جن ہوتے ہیں جو اس راستے کے مسافروں پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اور انہیں صحیح راستے سے ہٹکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہذا دُعائے استقامت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ مولا کریم! ہمیں ایسے راستے پر چلا جو روحانی ڈاکوؤں سے مامون ہو۔ استقامت زبان سے بھی ہوتی ہے قُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا (الاحزاب) منہ سے ٹھیک بات کرو قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا لوگوں سے اچھی بات کہو، یہ بھی صراطِ مستقیم پر استقامت ہے۔ اسی طرح عقائد اور اعمال میں بھی استقامت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ عقیدے اور عمل میں کوئی غلط چیز شامل نہ ہو سکے، عقیدے

میں کفر، شرک اور نفاق کی ملاوٹ ہو سکتی ہے جب کہ اعمال میں ریا شامل ہو جاتی
 ہے، لہذا یہ دُعا ان تمام اُمور پر مشتمل ہے۔ جب انسان سیدھے راستے کی دُعا کرتا ہے
 تو کہتا ہے کہ پروردگار! ہمیں صحیح راستہ دکھا، اس پر چلا اور اس پر استقامت
 عطا فرما۔

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

ترجمہ راستہ اُن لوگوں کا جن پر تو نے انعام فرمایا

ربط آیات اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد اُسی کی عبادت کرنے اور اُسی سے

استعانت کا بیان ہوا۔ پھر اُس کے سامنے دستِ سوال دراز ہوا کہ مولا کریم! ہماری راہنمائی فرما، ہمیں سیدھے راستے پر چلا اُس پر ثابِت قدم رکھو صراطِ مستقیم کی مختصر تشریح بیان ہو چکی ہے اور اب اگلا جملہ بھی سابقہ آیت ہی کے تسلسل میں ہے اور اسکی مزید وضاحت کرتا ہے۔ یعنی پُروردگار! ہمیں اس صراطِ مستقیم

پر ثابِت قدم رکھو صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ جو ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر تو نے انعام فرمایا۔

یہ ایک واضح اصول ہے کہ انسانی سوسائٹی میں انسان کی فطری قوتوں کی تکمیل اُس

وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک اُس کے سامنے کوئی نمونہ موجود نہ ہو۔ اس نمونے

کو دیکھ کر ہی انسان اپنی غلطیوں کی اصلاح کر کے اپنی زندگی کو نمونہ کے مطابق ڈھال

سکتا ہے۔ چنانچہ ہم قرآن پاک میں پڑھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو امت کے

لیے ایک نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ

أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب) بیشک اللہ کے رسول تمہارے لیے بہترین نمونہ ہیں۔

خطبہ جمعہ میں بھی آپ ﷺ نے فرمایا خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سب سے بہتر طریقہ حضرت محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جو تمہارے لیے بطور نمونہ ہے۔ آپ کی سیرت بہترین سیرت

ہے بلکہ ہر نبی اپنے اپنے دور میں امت کے لیے بطور نمونہ ہوتا ہے۔ ان کے

بعد اللہ کے کامل بندے اولیاء اللہ دوسرے لوگوں کے لیے نمونہ ہوتے ہیں عام

نمونہ کی ضرورت

لوگ انہی کے طریقے پر چل کر اپنی قوتوں کی تکمیل کرتے ہیں۔ غرضیکہ انسانی سوسائٹی میں نمونے کا ہونا بہت ضروری ہے، چنانچہ صراطِ مستقیم کی تشریح میں اسی نمونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی رب العزت! ہمیں اُن لوگوں کے نمونے پر چلا جن پر تیرا انعام ہوا۔

اب مادی انعامات تو عام ہیں اور دنیا میں ہر شخص پر وار دہوتے رہتے ہیں۔ مگر جن انعامات کا ذکر اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے ان سے مراد دینی اور روحانی انعامات ہیں۔

اولین دینی انعام قرآن پاک کا راستہ ہے اور یہ وہی راستہ ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے۔ زندگی کے ہر نشیب و فراز میں حضور علیہ السلام کا اسوہ حسنہ موجود ہے۔ مفسرِ قرآن ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ انعام یافتہ لوگوں کے راستے سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارکہ ہے اور آپ کے بعد آپ کے دونوں ساتھی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ہیں کیونکہ آپ کا اپنا فرمان ہے اِقْتَدُوا بِالَّذِينَ مِنْ اَبْدِي اَبِي بَكْرٍ وَعُمَرُ یعنی میرے بعد ان دو حضرات کی اقتداء کرو، کیونکہ ان کا طریقہ میرا طریقہ ہے اور پھر باقی سارے صحابہؓ ان دو کے تابع ہیں۔ اُن کے بعد باقی خلفائے راشدین کا نمبر آتا ہے، وہ بھی امت کے لیے بطور نمونہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جس خلافت کا ذکر کیا ہے، اُس سے مراد انہی چاروں خلفائے راشدین کی خلافت ہے اور پھر ان چار میں سے پہلے دو حضرات کا نمونہ کمال درجے کا ہے اور سب سے پہلے درجے میں کامل نمونہ خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارکہ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے

روحانی انعامات میں سے بعض تو انسان خود اپنی محنت سے کماتا ہے اور روحانی انعام اللہ تعالیٰ کی بخشش اور فیضان سے بھی انعام حاصل ہوتا ہے۔ انسانی جسم میں روح انسانی

اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے۔ روح حیوانی تو قرارِ حمل کے ساتھ پہلے دن سے اپنا کام شروع کر دیتی ہے مگر روح انسانی جو انسان کے قلب میں چوتھے میلنے میں ڈالی جاتی ہے اس کا منورہ علیین یا خلیۃ القدس سے آنا ہے۔ صحیح احادیث میں آتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے۔ پھر انسان کو عقل عطا کرنا اور تمام ظاہری و باطنی قوتوں سے لیس کرنا، غور و فکر کی طاقت بخشنا اور خاص طور پر گفتگو کا طریقہ سکھانا اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات ہیں۔ چنانچہ یونانی فلسفی انسان کو حیوانِ ناطق یعنی بولنے والے حیوان سے تعبیر کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بیش قیمت انعام ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرحمن کی ابتداء میں جہاں اپنے احسانات کا ذکر کیا ہے، وہاں یہ بھی ہے عَلَّمَهُ الْبَيَانَ یعنی رحمن وہ ذات ہے جس نے انسان کو پیدا کیا اور پھر اُسے بولنا سکھایا۔

شاہ رفیع الدین دہلوی جو اپنے والد ماجد امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فلسفے کے ماہر شمار ہوتے ہیں، وہ انسان کی تعریف یہ کرتے ہیں الَّذِي يَتَفَكَّرُ وَيَصْنَعُ بِالْأَلَاتِ یعنی وہ ہستی جو غور و فکر کرتی ہے اور آلات کو استعمال کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ غور و فکر کا مادہ بھی انسان کے لیے بہت بڑا انعام خداوندی ہے۔ اسی غور و فکر کے نتیجہ میں انسان بڑے بڑے کام انجام دیتا ہے۔ اپنے ہاتھ کو استعمال کرتا ہے اور پھر بڑی بڑی مشینیں اور آلات ایجاد کر کے ان سے کام لیتا ہے۔ اسی طرح انسان کا جسم بذاتِ خود، اس کے ساتھ چل ہونے والے قوی، صحت اور اہل افراد سب اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں۔

بعض انعامات انسان خود اپنی محنت سے حاصل کرتا ہے۔ ان میں تذکیہ نفس کا خاص اہمیت حاصل ہے۔ اہل تصوف کی اصطلاح میں اُسے تخلیہ کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر قسم کے رذائل سے پاک ہو جائے جب کوئی انسان عبادت

کبریٰ انعام

وریاضت میں پابندی اختیار کرتا ہے اور مشقت برداشت کرتا ہے تو اس کے جسم سے تمام رذیل خصلتیں منجملہ کفر، شرک، نفاق، بدعتیگی، حسد، کینہ اور تکبر وغیرہ نکل جاتی ہیں۔ اور انسان بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔ یہی تخلیہ ہے کہ انسان سے تمام بدمی چیزیں نکل جائیں اور وہ ان سے خالی ہو جائے، تخلیہ کا دوسرا معنی یہ بھی ہے کہ انسان اپنے ظاہر و باطن کو اخلاقِ حسنہ سے مزین کر لے۔ ان میں ایمان، توحید اور دیگر تمام اچھے اخلاق شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت، مغفرت اور رضا بھی بہت بڑے انعامات ہیں جو کسی کو حاصل ہو جائیں۔ یہ چیز بھی محنت اور کسب سے حاصل ہوتی ہے اور انسان بالآخر علیین اور خطیرۃ القدس کا ممبر بن جاتا ہے

تکبر کی قبت

کسی انسان کا جن رذائل سے پاک ہونا ضروری ہے ان میں ایک ذیل خصلت تکبر بھی ہے۔ انسانی وجود سے تکبر کا نکلنا بہت مشکل کام ہے۔ اس کے لیے بزرگانِ دین بڑی محنت کرتے ہیں اور یہ کہیں آخر میں جا کر خارج ہوتا ہے۔ بعض بزرگان کا مقولہ ہے لَقَدْ الْجِبَالُ أَيْسَىٰ مِنْ إِخْرَاجِ الْكِبْرِ مِنْ الْقُلُوبِ یعنی کسی پہاڑ کو سوئی کے کنا سے کے ساتھ اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دینا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ دلوں سے تکبر کو خارج کیا جائے ابلیس میں یہی بیماری تھی جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ کے لیے ملعون ٹھہرا۔ سورۃ البقرہ میں موجود ہے۔ الْجِ وَاسْتَكَبَرُوا وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ابلیس نے تکبر کیا، اور کافروں میں ہو گیا۔ اسی طرح حسد بھی بہت بدمی خصلت ہے بزرگوں کا مقولہ ہے مَا خَلَا جَسَدٌ مِنْ حَسَدٍ یعنی کوئی جسم حسد سے خالی نہیں۔ اس قبیح خصلت سے نجات حاصل کرنے کے لیے بھی بڑی محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کے کسی انعامات میں سے ہے کہ انسان تمام رذائل سے پاک ہو جائے۔

تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ دُعا سکھلائی ہے کہ مولا کریم! ہمیں سیدھے راستے پر چلا جو اُن لوگوں کا راستہ ہے جن پر تو نے انعام فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انعام یافتہ گروہ چار ہیں جن کا ذکر سورۃ ناس میں موجود ہے وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ یعنی بنی، صدیق، شہید اور صالحین۔ انسان ان چاروں گروہوں کے راستے پر چلنے کی درخواست کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اے اللہ! ہمیں ایسی سوسائٹی عطا فرما جس کے ارکان ان چار مراتب والے لوگ ہوں اب ظاہر ہے کہ ان گروہوں میں وہی لوگ شامل ہوں گے جنہوں نے قرآن کریم کا اتباع کیا، اس پر ایمان لائے، اس کو سیکھا اور اس پر عمل کیا اور اسی چیز کا نام قانون کی پابندی ہے۔ اس پابندی کے بغیر کوئی انسان ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتا۔ قانون کی پاسداری کے متعلق قرآن پاک میں جگہ جگہ ہدایات دی گئی ہیں جیسے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ رَالمائدہ) اے ایمان والو! جن چیزوں کو تمہارے لیے اللہ نے حلال کیا ہے۔ ان کو حرام نہ محضراؤ، سود، چوری، زنا، ڈاکہ قتل ناحق وغیرہ سب حرام امور ہیں، ان کو اختیار نہ کرو، قانون شکنی شیطان کا کام ہے۔ لہذا تم قانون کی پابندی کرو کہ اسی میں تمہاری ترقی ہے اور یہی تمہارے لیے باعث نجات ہے۔ قانون کی پابندی کے سلسلے میں خلفائے راشدین کا نمونہ ہمارے پاس موجود ہے خاص طور پر حضرت عثمانؓ کی شہادت تک کا دور تمام امت کے لیے متفق علیہ دستور کی حیثیت رکھتا ہے۔ بعد میں امت کے درمیان اختلافات شروع ہو گئے۔ تاہم ان حضرات کے نمونہ پر عمل کر کے انسان منعم علیہم کا مصداق بن سکتے ہیں۔ ان کے عملی نمونے

زندگی کے ہر شعبے میں موجود ہیں۔ معاملہ صلح کا ہو یا جنگ کا۔ عبادت کا مسئلہ ہو یا معیشت معاشرت اور تجارت کا ہر جگہ ان کا نمونہ موجود ہے کہ انہوں نے ایسے مواقع پر کس طرح عمل کیا۔ معاملات زندگی کی بہت تھوڑی چیزیں باقی رہ جاتی ہیں جن کے متعلق ان حضرات کے ادوار سے براہ راست راہنمائی حاصل نہیں ہوتی، نام اصول و ضوابط ہر شعبے میں موجود ہیں جن کی روشنی میں آگے آنے والے مسائل کا حل بھی تلاش کیا جاتا ہے لہذا خلفائے راشدین کا دور بھی ہمارے لیے بہترین نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ یہ انعام و گمراہی کے لوگ ہیں۔

حضرت علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص کسی جانی ہوئی چیز پر عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ان جانی چیز بھی سکھلا دیتا ہے اور جو شخص جانی ہوئی چیز پر عمل پیرا نہیں ہوتا تو اس کو راستہ کہاں مل سکتا ہے؟ آج مسلمانوں کی یہی حالت ہے۔ جو قوم آج اپنے اصول و ضوابط اور نمونے کو چھوڑ کر دوسروں کے محتاج ہیں، محض فلسفہ چھانٹتے ہیں، عمل کا فقدان ہے، وہ کامیاب نہیں ہو سکتی۔ آج مسلمانوں کی کوئی چیز اپنی نہیں ریاست معیشت، معاشرت، تجارت ہر کام میں امریکہ اور یورپ سے ہدایات حاصل کرنے والے اور ان کے نمونے پر چلنے والے انعام یافتہ گمراہوں میں شامل نہیں ہو سکتے۔ اسی لیے اس سورۃ مبارکہ میں یہ دُعا سکھلائی گئی ہے کہ اے پروردگار! ایسے لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تو نے انعامات نازل فرمائے۔ ہمیں ایسے لوگوں کے ساتھ چلنے کی توفیق عطا فرما۔ اب آگے ان چار گمراہوں کی مختصر تشریح عرض کی جائیگی۔

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

ترجمہ :- راستہ اُن لوگوں کا جن پر تو نے انعام کیا ۵

پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان ہوئی، پھر اس کی صفات بیان ہوئیں۔ اس کے بعد عبادت و استعانت کو اُس کے ساتھ خاص کیا گیا اور پھر بندے کی طرف سے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں صراطِ مستقیم کی درخواست کی گئی۔ صراطِ مستقیم یہ گامزن ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ سے اس کے انعام یافتہ لوگوں کا نمونہ بھی طلب کیا گیا۔ قرآنِ پاک میں موجود ہے کہ تمام انبیا اپنی اپنی امتوں کے لیے اولین نمونہ ہوتے ہیں جن کے راستے پر چل کر امت منزلِ مقصود تک پہنچتی ہے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص طور پر اسوہ حسنہ اور بیۃ کا ذکر قرآنِ پاک میں ہوا ہے۔ آپ بہترین نمونہ اور واضح نشانی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کے اخلاقِ حسنہ کے متعلق فرمایا كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ یعنی آپ کا اخلاقِ مبارک یہی قرآن ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ پاک کی تعلیمات کا عملی نمونہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ پہلے انبیاء کے نمونے یہود و نصاریٰ نے بگاڑ دیے اور اب دنیا میں صرف ایک ہی نمونہ موجود ہے جو نبی آخر الزماں علیہ السلام کا ہے اسی لیے یہ درخواست کی گئی کہ مولا کریم! ہمیں اپنے انعام یافتہ لوگوں کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔

نمونہ کی اہمیت کسی کام میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے نمونہ کی ضرورت و اہمیت کے

متعلق اہم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب القول الجمیل میں یہ بات نقل کی ہے مَن لَا يَرَى مُفْلِحًا لَا يَفْلِحُ یعنی جو شخص کسی کامیاب آدمی کو نہیں دیکھتا، وہ خود بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے مواعظ میں بھی یہ بات موجود ہے اور بعض دوسرے بزرگوں نے بھی ایسا ہی لکھا ہے کہ نمونے کا مطلب یہی ہے۔ دنیا کا دستور بھی یہی ہے کہ کوئی ہنر کسی صاحب ہنر کو دیکھے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ کامل درجے کا انجینئر وہی ہوگا جس کے سامنے اعلیٰ درجے کے انجینئر کا نمونہ موجود ہوگا۔ اچھے ڈاکٹر کی مثال بھی یہی ہے۔ کوئی سیاستدان بھی اُس وقت تک انقلابی سیاستدان نہیں بن سکتا جب تک وہ کسی انقلابی سیاستدان کے کارہائے کو پیش نظر نہیں رکھے گا۔ اسی لیے دعا میں درخواست کی گئی ہے کہ رب العالمین! ہمیں اُن لوگوں کا راستہ دکھا جن پر تو نے انعام فرمایا۔ اور یہ چار گمراہ ہیں جن کی تصریح قرآن پاک نے سورۃ نساء میں کر دی ہے اور یہ ہیں انبیاء، صدیق، شہدا اور صالحین۔

۱۔ انبیاء منعم علیہ گمراہوں میں پہلا گمراہ وہ انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ انبیاء نے کرام پوری نسل انسانی اور خاص طور پر اپنی امت کے لیے معیار ہوتے ہیں۔ اسی لیے اُن کا اتباع کرنا فرض ہے۔ ہر نبی نے اپنی امت کو یہی درس دیا فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا (الشعراء) اے لوگو! اللہ سے ڈر جاؤ، کفر و شرک سے باز آ جاؤ اور میری اطاعت کرو، اپنی زندگی کے لیے مجھے نمونہ پکڑو۔ اللہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے بھی یہ کہلوایا، کہ اے میری امت کے لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ کے محبوب بننا چاہتے ہو فَاتَّبِعُونِي (میر) اتباع کرو حُبُّكُمْ اللہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ (آل عمران) اور تمہارے گناہ بھی معاف فرمائے گا مطلب یہ کہ کمال حاصل کرنے کے لیے نبی کا نمونہ یعنی اُس کا اتباع اختیار کرنا ضروری ہے۔

ہر نبی انسان ہوتا ہے، چنانچہ علم عقائد والے نبی کی تعریف اس طرح کرتے ہیں هُوَ الْإِنْسَانُ
بَعَثَهُ اللَّهُ لِتَبْلِيغِ مَا أَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ یعنی نبی وہ انسان ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ
 اُس کی طرف وحی کی گئی چیز کی تبلیغ کے لیے مبعوث فرماتا ہے۔ رسول تو فرشتے بھی ہوتے
 ہیں، مگر نبی صرف انسان ہی ہوتے ہیں۔

انبیاء کا علمی
اور عملی ورثہ

نبی کی ذات میں علمی اور عملی دونوں قسم کے کمالات ہوتے ہیں اور انہیں منبع علوم
 تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اصطلاح میں منبع علوم
 خطیرۃ القدس ہے جہاں سے انسانوں کی طبعی، عقلی یا مادی ضروریات کی تکمیل کے لیے
 علم مہیا کیا جاتا ہے۔ انبیاء کا تعلق تجلّی عظم کے ساتھ کمال درجے کا ہوتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے نبی ہیں اور آپ عقل مند ترین انسان تھے۔ طَارِدَانِ
 کا نظریہ تو جہالت کی پیداوار ہے کہ ابتداء میں سب بندرتھے، پھر یہ ترقی کر کے انسانیت
 کی مدین داخل ہو گئے۔ یہ بالکل باطل نظریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے انسان آدم
 علیہ السلام کو پیدا کیا، انہیں نبوت عطا کی اور انہیں مکمل علم، عمل اور عقل عطا کی۔ انسان کی تمدنی
 ترقی کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ بتدریج ہوتی ہے آج سے سو سال پہلے کے لوگ آج کی
 سائنسی ترقی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ سائنس نے انسان کے لیے نہایت تیز رفتار سواریاں

مہیا کر دی ہیں اور انسانی ضروریات کی لاتعداد چیزیں مہیا کر دی ہیں مگر یہ تو تجربے کی چیزیں
 ہیں۔ جہاں تک عقلی، نظری اور عملی قوت کا تعلق ہے اس کا کمال انبیاء کو ہی حاصل ہوتا ہے

انبیاء علیہم السلام کی ایک بہت بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ معصوم عن الخطا ہوتے
 ہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے انہیں گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ ان سے گناہ سرزد نہیں ہوتا

انبیاء کی
معصومیت

اگر نبی سے معمولی سی غلطی بھی ہو جائے تو اس کی فوراً اصلاح کر دی جاتی ہے۔ اس قسم کی
 معمولی کوتاہی کو لغزش کہا جاتا ہے جہاں تک گناہ کا تعلق ہے وہ نبی کی ذات سے نہ

نبوت سے پہلے ہوتا ہے اور نہ نبوت کے بعد۔ نبی کو معمولی لغزش پر ہی تنبیہ ہو جاتی ہے اور اُسے اُس پر قائم نہیں رہنے دیا جاتا۔ عام انسانوں اور انبیاء میں یہی فرق ہے۔ بڑے سے بڑا مجتہد بھی غلطی سے خالی نہیں ہوتا۔ وہ ساری عمر خطا پر قائم رہ سکتا ہے کیونکہ اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی گارنٹی حاصل نہیں ہوتی۔ مجتہد کو اپنے درجے کے مطابق اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب ضرور حاصل ہوتا ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُسے غلطی سے ہٹا دے۔ بہر حال انبیاء گناہوں سے پاک ہوتے ہیں مگر انسان ہوتے ہیں۔ البتہ ان میں علمی، عملی اور عقلی قوتیں کمال درجے کی ہوتی ہیں۔

منعم علیہ گروہوں میں سے دوسرا گروہ صدیقین کا ہے۔ صدیق راست باز کو کہتے ۲۔ صدیق ہیں۔ اور یہ وہ شخصیت ہوتی ہے جس کی قوت علمی اور نظری نبی کے قریب قریب ہوتی ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ صدیق کا ظرف ایسا صاف آئینہ ہوتا ہے جس پر نبی کے علوم کا عکس پڑتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ حضور علیہ السلام کی عدم موجودگی میں بالکل ویسی ہی بات کرتے تھے جیسی حضور علیہ السلام کی زبان سے نکلتی تھی۔ معاہدہ حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمر فاروقؓ بڑے پریشان ہوئے اور آپ سے عرض کیا، حضور! کیا آپ اتنی کمزور شرائط پر صلح کر رہے ہیں؟ کیا ہم حق پر اور کفار باطل پر نہیں ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا، بالکل ایسا ہی ہے مگر اے عمرؓ! جان لو کہ میں اللہ کا نبی ہوں وَلَکُنْ تُضِیْعَنِ اللّٰہُ اور اللہ تعالیٰ مجھے ضائع نہیں کرے گا۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے، اسی میں مصلحت ہے۔ اس کے بعد اس بات کا ذکر حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس کیا اور کہا کہ مسلمانوں کو اتنی کمزور شرائط پر صلح نہیں کرنی چاہیے، اس پر حضرت صدیقؓ نے فوراً کہا اے عمرؓ! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے نبی ہیں وَلَکُنْ تُضِیْعَهُ اللّٰہُ

اور اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ مطلب یہی تھا کہ جو کچھ حضور علیہ السلام کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کی اسی میں بہتری ہے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت صدیقؓ کی زبان سے بھی بالکل وہی الفاظ نکلے جو خود حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے ادا ہوئے تھے تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ صدیق کا ذہن اور دماغ اتنا شفاف آئینہ ہوتا ہے جس پر نبی کے علم کا عکس پڑتا ہے اور اس کی بات نبی کی بات سے مل جاتی ہے ایسے شخص کو صدیق کا لقب دیا گیا ہے۔

۳۴ شہداء یتسرا انعام یافتہ گروہ شہداء کا ہے۔ شہد کی قوت عملیہ کو کمال حاصل ہوتا ہے جس طرح نبی کی قوت عملی اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے، اسی طرح شہید کی قوت عملی اس کے قریب قریب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شہید اپنے دین اور خدا تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنی جان پر بھی کھیل جاتے ہیں اور اس طرح وہ حق و صداقت کی گواہی دینے والے بن جاتے ہیں۔ جان کا اندرانہ پیش کر دینے والا اسی شہادت کی بناء پر شہید کہلاتا ہے۔

۳۵ صاحبین انعام یافتہ گروہ وہ ہیں جو چوتھا گروہ صاحبین کا ہے۔ ان کی قوت علمی اور عملی اگرچہ اعلیٰ ترین درجے کی تو نہیں ہوتی مگر ان میں کامل درجے کا اتباع پایا جاتا ہے۔ ایسے لوگ انبیاء کے خاص متبعین ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو فاسد اعتقادات اور بُرے اخلاق سے دُور رکھتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیں کہ صالح اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرتا ہے اور مخلوق کا حق بھی ادا کرتا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ یاد الہی میں مصروف رہتا ہے۔ عام اصطلاح میں ایسے لوگوں کو ولی کہا جاتا ہے یہی صاحبین ہیں اور باقی لوگ ان سے کم درجے میں ہوتے ہیں۔

غرضیکہ صراطِ مستقیم کے حصول کے لیے ان چار اقسام کے لوگوں کا نمونہ پیش نظر رکھا گیا ہے کہ مولا کریم! ایسے راستے پر چلا جس راستہ کو تیرے ان انعام یافتہ لوگوں نے

اختیار کیا۔

اب دوسری بات بھی ملاحظہ فرمائیں۔ عام انسانوں کے لیے ضروری ہے کہ اپنے غلط نسبت مفید نہیں ذہن، دماغ، قوتِ عملیہ، قوتِ قوتِ نظریہ کو منعم علیہ لوگوں کے نمونے پر استعمال کریں۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہو جائیں تو ان کی نسبت ان چار گروہوں کے ساتھ درست ہو جائیگی۔ اور اگر وہ اپنے آپ کو منعم علیہ گروہوں کے مطابق نہ ڈھال سکیں تو پھر ان کے ساتھ خالی خولی نسبت کچھ فائدہ نہیں دے گی۔ قرآن پاک میں یہ بات واضح طور پر سمجھادی گئی ہے کہ جو لوگ اپنی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں یعنی یہود و نصاریٰ، جب تک وہ اپنا عقیدہ اور عمل ان کے مطابق نہیں بنائیں گے، محض ان کی طرف نسبت کچھ کام نہ آئے گی۔

شیعہ حضرات اپنی نسبت اہل بیت کی طرف کرتے ہیں گویا یہ لوگ اہل بیت کے محب ہیں حالانکہ اگر عقیدہ اور عمل کی سوٹی پر جانچا جائے تو ان لوگوں کی حضور کے خاندان کے ساتھ کوئی نسبت نظر نہیں آتی حضور علیہ السلام کے خاندان مرد و خواتین تو امت کے لیے پیشوا اور بزرگ تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کامل نمونہ تھے، مگر شیعوں کا عقیدہ اور عمل ان حضرات کے بالکل خلاف ہے، بھلا ان کی نسبت کیسے درست ہو سکتی ہے؟ ان کا دعوے محبت جھوٹ محض ہے۔ لہذا محض بزرگوں کی طرف نسبت کر دینا قطعاً مفید نہیں ہوگا۔

اس زمانے میں عام لوگ چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی، جیلانی وغیرہ صوفیاء کرام کی طرف نسبت کہلاتے ہیں اور اپنی نسبت ان صاحبین کی طرف کرتے ہیں حالانکہ ان کے درمیان کوئی مناسبت نہیں پائی جاتی بلکہ اکثر کے عقائد و اعمال ان بزرگوں کے خلاف ہیں بشال کے طور پر چشتیہ سلسلے کو لے لیں چشت ایک مقام کا نام ہے۔ حضرات خواجہ معین الدین

اجمیری، خواجہ نظام الدین اولیاء اور ان کے پیر مرشد سلسلہ چشتیہ کے بزرگ تھے، ان میں علم، عمل، تقویٰ اور پیرہیزگاری کمال درجے کی تھی۔ ان کے مریدوں میں سے بعض حضرات چین تک پہنچے، تبلیغ دین کی جس کے نتیجے میں بے شمار لوگوں نے اسلام قبول کیا مگر اب ان بزرگوں کا نام لیوا رہ گئے ہیں۔ ان میں نہ وہ علم ہے اور نہ عمل، نہ وہ تقویٰ ہے اور نہ وہ پیرہیزگاری۔ اب چشتیہ طریقے کا کام گانے بجانے، قوالی کرانے، قبر پرستی، اور ترک سنت تک محدود ہو کر رہ گیا، بھلا اس قسم کی نسبت کسی کو کیا فائدہ دے سکتی ہے؟ قادری طریقے والوں کا کام بھی اب یہی رہ گیا ہے کہ قبروں پر چادریں اور چڑھاوے چڑھائیں۔ عرس منائیں یا ختم پڑھ کر قادری بن جائیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تو کمال دُجھے کے بزرگ تھے آپ کے مواعظ، اخلاق حسنہ، دین کے لیے لگن اور آپ کا عقیدہ و عمل تو خود آپ کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ مگر آپ کی تحریروں کی طرف کوئی نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا کہ آپ زندگی بھر کیا کرتے رہے اور اپنے مریدوں کو کس بات کا حکم دیتے رہے۔ اس زمانے میں ان بزرگوں کے نام پر بدعات کو رواج دیا جا رہا ہے۔ بھلا ایسی غلط نسبت کسی کے کمال کا کام آئے گی؟ اس طرح قادری، سہروردی اور نقشبندی جیسی نسبتیں کسی کام نہیں آسکتیں جب تک اپنے عقیدہ اور عمل کو ان بزرگوں کے مطابق نہ بنایا جائے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، ابو زید بسطامیؒ، ابوالحسن فرقانیؒ، حضرت علی ہجویریؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت بختیار کاکیؒ، عثمان ہارونیؒ، خواجہ فرید الدینؒ اور خواجہ بہاؤ الحقؒ زکریا ملتانیؒ، بڑی بزرگ ہستیاں تھیں جنہوں نے اپنے عمل کے ذریعے کفرستان میں دین کی شمع روشن کی مگر آج صرف ان کے نام لینے والے باقی ہیں جو ان کی گدیوں کی آبدنی پر پل سہے ہیں، وگرنہ ان لوگوں کی ان بزرگوں کے ساتھ کوئی نسبت نظر نہیں آتی۔ اور جو لوگ زبردستی اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس کا کچھ فائدہ نہیں

ہوگا جب تک عقیدہ اور عمل ان بزرگوں کے مطابق نہ ہو۔

اصحاب
مذہب
کی نسبت

اسی طرح مختلف مذاہب والوں کا بھی یہی حال ہے۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، مقلد، غیر مقلد، اہل حدیث کہلانے والے بھی خالی نسبت پر انحصار کمرے بیٹھے ہوئے ہیں۔ جس شخص نے امام ابو حنیفہ کا طریقہ نہیں پکڑا وہ حنفی کہلانے کا ہرگز حقدار نہیں۔ جب تک ان جیسا عقیدہ اور عمل نہیں ہوتا اُس وقت تک محض حنفی کہلا لینا کچھ مفید نہیں ہوگا، اسی طرح شافعی، مالکی اور حنبلی نسبت ہے۔ ان مذاہب کو ماننے والے جب تک ان مذاہب کے اصول و ضوابط کو نہیں اپناتے محض اپنی نسبت ان کی طرف کر لینے سے کیا حاصل ہوگا؟ اہل حدیث کہلانے والوں کو بھی اپنی نسبت امام بخاری اور امام ترمذی کے ساتھ ثابت کرنا ہوگی، ورنہ ان کے دعوے میں بھی کوئی صداقت نہیں۔ غرضیکہ کوئی کسی بھی مسلک، عقیدے، یا سلسلے سے تعلق رکھتا ہو، اُس کا دار و مدار اس کے عقیدے اور عمل کی اصلاح پر ہے، محض کوئی نام رکھ لینا کسی کام نہیں آسکتا۔

یہود و نصاریٰ
کی نسبت

یہودیوں نے اپنی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف کر رکھی ہے حالانکہ یہ اپنے عقیدے اور عمل کے لحاظ سے اپنے دعوئیں جھوٹے ہیں یہودیوں کا کوئی عمل موسیٰ علیہ السلام سے مطابقت نہیں رکھتا اور نہ ہی عیسائیوں کا کوئی فعل عیسیٰ علیہ السلام کی سنت کے مطابق ہے۔ محض یوم ولادت منالینا، گانا بجانا، ڈھول ڈھمکا، شراب نوشی اور شور و شر کو عیسیٰ علیہ السلام کے کردار سے کیا نسبت ہے؟ اب پوری عیسائی دنیا کا عمل کمرے میں منانے تک محدود ہو کر رہ گیا ہے مگر دعویٰ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروکار ہیں۔ بھائی! ایسی خالی نسبت کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ کیا عیسیٰ علیہ السلام نعوذ باللہ عیاشی اور فحاشی کا درس دیتے تھے وہ تو اللہ تعالیٰ کی توحید کے مبلغ تھے، بُرائی سے منع کرتے تھے۔ یہودی عالم جو علم کا دعوے کرتے اور غلط باتیں

کرتے تھے۔ اُن کو علیہ السلام کہتے تھے، سانپ کے بچو! تم جھوٹے فقیہ بنے پھرتے ہو، خود گمراہ ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہو، تم خالص دنیا دار اور لعنتی ہو۔

بہر حال یہ جھوٹی نسبت قطعاً مفید نہیں ہو سکتی، نسبت صحیح ہوگی تو کچھ فائدہ ہوگا، ورنہ نہیں خواجہ ابراہیم ادھمؒ بادشاہ تھے مگر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اللہ اللہ کرنے لگے

بزرگوں سے ملے، عبادت و ریاضت کی، حج کیا اور آخر میں ملک سے بہت دور صوبہ شام کے علاقہ صوریہ میں وفات پائی۔ اُن کے متعلق امام رازیؒ تفسیر کبیر میں رقمطراز

ہیں کہ بیت اللہ شریف کی طرف پیدل جا رہے تھے۔ راستے میں کسی دیہاتی نے پوچھا، شیخ! کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا بیت اللہ شریف کی زیارت کا ارادہ ہے اعرابی

کہنے لگا، اتنا لمبا سفر ہے اور آپ کے پاس سواری بھی نہیں ہے۔ خالی ہاتھ ہیں آپکے پاس توشہ بھی نظر نہیں آتا۔ ابراہیم ادھمؒ نے جواب دیا، بھائی! میرے پاس تو بہت

سی سواریاں ہیں مگر تمہیں نظر نہیں آتیں، جب مجھ پر کوئی مصیبت آتی ہے تو صبر کی سواری پر سوار ہو جاتا ہوں، جب کوئی نعمت ملتی ہے تو شکر کی سواری کو استعمال کرتا ہوں، جب

خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی فیصلہ آ جاتا ہے، قضا نازل ہوتی ہے تو میں رضا کی سواری پر سوار ہو جاتا ہوں اور جب نفس کسی بات پر آمادہ کرتا ہے تو میں یقین سے جان لیتا ہوں

اور نفس کو کہتا ہوں کہ زندگی کے زیادہ دن گزر گئے ہیں اور تھوڑے دن باقی ہیں۔ تو مجھے کس راستے پر ڈالنا چاہتا ہے۔ لہذا نفس رُک جاتا ہے کیونکہ کیا معلوم ہے

کہ تھوڑی دیر بعد ہی موت آجائے۔ جب دیہاتی نے یہ بات سنی تو کہنے لگا سِرُّ بِإِذْنِ اللَّهِ فَأَنْتَ رَاكِبٌ وَأَنَا رَاجِلٌ کچھ چلیے صاحب! آپ اپنا سفر جاری رکھیں۔

خدا کے حکم سے آپ سوار ہیں اور میں پیدل ہوں۔ اس دنیا میں بعض لوگ ایسے بھی ہوئے ہیں۔ جنہوں نے بادشاہی میں بھی فقیری

خواجہ ابراہیم
ادھمؒ

اورنگزیب
عالمگیرؒ

کی۔ ایسی ہی ایک شخصیت برصغیر میں اورنگزیب عالمگیر کی تھی۔ کابل سے لے کر برما تک کا علاقہ زیر نگین تھا مگر شاہی بیت المال سے کبھی ایک پیسہ تک وصول نہ کیا اپنے ہاتھ کی کمائی پر گزار اوقات تھی۔ قرآن کریم کی نہایت خوش خط کتابت کرتے تھے۔ نیز اپنے ہاتھ سے ٹوپیاں بناتے تھے۔ ان دوزخ کی آمدنی سے گھر کے اخراجات چلتے تھے۔ آپ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن مجید آج بھی کہیں کہیں ملتے ہیں۔ آپ کمال دبیے کے متقی پہنیز کار اور خوف خدا رکھنے والے تھے یہ مقولہ آپ ہی پر صادق آتا ہے۔ ”آنکہ در شاہی فقیری کردند“ یعنی وقت کے بادشاہ ہوتے ہوئے بھی پوری زندگی فقیری کی حالت میں بسر کر دی۔ انگریزوں اور ہندوؤں نے غلط پروا پکینہ کیا ہے کہ اورنگزیب نے بھائی کو ناحق مروا دیا اور باپ کو قید کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے بھائی نے ایک مسکین آدمی کو ناحق قتل کر دیا تھا جس کے بدلے میں آپ نے بھائی کو سزا موت دی۔ باپ قاتل کی ناجائز طرفداری کرتا تھا، لہذا اُسے بھی راستے سے ہٹانے کے لیے قید کر دیا۔ بہر حال آپ انسان تھے اور کوئی انسان غلطی سے خالی نہیں مگر آپ کے تقویٰ اور زہد کی کوئی مثال نہیں ملتی آپ کے جانشین سب نالائق ثابت ہوئے جن کے غلط کارناموں کی وجہ سے سلطنت میں دراڑیں پڑ گئیں۔

بہر حال یہ تھے وہ بزرگ جنہوں نے دنیا میں مثالیں قائم کیں، اُن کا عقیدہ عمل اور اخلاق نہایت اعلیٰ درجے کا تھا اور یہ لوگ صحیح معنوں میں عالم باعمل تھے۔ مگر آج ہمارا خالی نسبت کچھ کام نہیں آسکتی۔ ہم محض بزرگانِ دین کی طرف نسبت کر کے ہی مطمئن ہو کر بیٹھ گئے ہیں حالانکہ اصل چیز عقیدہ اور عمل ہے۔ جب تک یہ چیزیں درست نہیں ہوں گی، کوئی نسبت مفید نہیں ہوگی۔ تو صراطِ مستقیم کی دُعائیں یہ بات بھی شامل ہے کہ مولا کریم! ہمیں اپنے انعام یافتہ بندوں کے راستے پر چلا جن کی بعض مثالیں میں نے عرض کر دی ہیں۔

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ⑤

ترجمہ :- نہ وہ لوگ جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہ ⑤

رابط آیات

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد اُس کی صفات کا ذکر ہوا اور اس کے بعد عبادت

و استعانت کا ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہونے کا بیان تھا۔ پھر بندوں کی طرف

سے درخواست کی گئی کہ مولا کریم! ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ انسانوں

کی اولین ضرورت یہ ہے کہ اُن کے سامنے صراطِ مستقیم واضح ہو جائے۔ اس کے بعد

صراطِ مستقیم کے لیے نمونے کا ذکر کیا گیا کہ یا اللہ! ہمیں اُن لوگوں کے راستے پر چلا جن پر

تیرا انعام ہوا۔ قرآن پاک نے انعام یافتہ چاروں گروہوں یعنی انبیاء، صدیق، شہید اور صالحین

کی وضاحت فرمادی کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے نمونے پر چلنے کی ضرورت ہے اور جن کا

طریقہ اختیار کیے بغیر کوئی انسان فلاح حاصل نہیں کر سکتا۔

مغضوب علیہ
اور ضال

اب آج کی آیت کہ یہ میں غلط کار لوگوں کے راستے سے بچ رہنے کی درخواست

کی گئی ہے۔ گذشتہ آیت میں عرض کیا گیا تھا کہ اے اللہ! ہمیں اُن لوگوں کا راستہ دکھا جن پر

تیرا انعام ہوا اور اب یہ کہ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ اُن لوگوں

کا راستہ نہ دکھانا جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ جو گمراہ ہوئے مغضوب علیہ وہ شخص یا گروہ ہوتا ہے

جو جان بوجھ کر حق کو چھپاتا ہے ایسے لوگ حقیقت سے واقف ہوتے ہیں، حق کو پہچانتے

ہیں اور دیدہ دانستہ اُسے چھپا جاتے ہیں۔ ایسے لوگ عمل کی نعمت سے محروم ہوتے ہیں، جو علم

ہونے کے باوجود حق پوشی کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف گمراہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو

علم کی دولت سے محروم ہیں۔ انہیں صحیح راستے کی پہچان ہی نہیں ہوتی، اس لیے یہ اصل

راتے سے بٹھک جاتے ہیں۔ قرآن کی اصطلاح میں انہیں ضال کہا گیا ہے تاہم مغضوب علیہ اور ضال دونوں گروہ مردود ہیں اور ان کے مقابلے میں انعام یافتہ گروہ مقبول ہیں۔ حدیث شریف میں یہودیوں کو مغضوب علیہ اور عیسائیوں کو ضال کہا گیا ہے۔

حاکم طائی
کی بہن

مذاہد کی روایت میں آتا ہے کہ صحابہ کا ایک گروہ جہاد کے لیے بنی طے کے علاقہ میں گیا۔ عربوں کا یہ مشہور قبیلہ اگرچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا مگر انہوں نے عیسائیت اختیار کر رکھی تھی۔ حاکم طائی اس قبیلے کا مشہور آدمی گزرا ہے جسکی سخاوت کے قصے دور دور تک مشہور تھے۔ امام ابن قتیبہ نے اپنی کتاب الشعر والشعراء میں لکھا ہے کہ حاکم طائی نے انیس مرتبہ اپنی ساری کی ساری دولت لٹادی۔ اس قبیلہ کے لوگ بھی مسلمانوں کے خلاف تھے، لہذا ان کے ساتھ جھڑپیں ہوئیں موقع پاکر مسلمانوں نے اس علاقے پر حملہ کر دیا۔ دشمن مقابلے کی تاب نہ لا کر بھاگ گیا اور کچھ لوگ قیدی بنا لیے گئے جن میں حاکم طائی کی بہن بھی تھی۔ البتہ حاکم طائی کا بیٹا عدی بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا جب جنگی قیدیوں کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا تو حاکم طائی کی بہن نے درخواست کی کہ حضور! میں بوڑھی عورت ہوں کوئی خدمت بھی انجام نہیں دے سکتی، میرا نمائندہ اور بھتیجا عدی بھی بھاگ گیا ہے، آپ مہربانی فرما کر مجھے آزاد کر دیں۔ حضور علیہ السلام نے بڑھیا کی درخواست قبول کرتے ہوئے اس کی رہائی کا حکم دیا۔ پاس ہی حضرت علیؓ بھی کھڑے تھے، آپ نے اس عورت سے کہا کہ حضور سے سواری کی درخواست کر لو، واپس کیے پہنچو گی۔ چنانچہ اس نے پھر عرض کیا۔ حضور، میں بوڑھی عورت ہوں، سفر دراز ہے اور ساتھ بھی کوئی نہیں، مہربانی فرما کر کوئی سواری بھی عنایت کر دیں۔ حضور علیہ السلام نے بڑھیا کی یہ درخواست بھی منظور فرمائی اور اس کے لیے سواری کا بندوبست

بھی کر دیا۔ جب وہ عورت اپنے علاقے میں واپس پہنچی تو اُس نے اپنے بھتیجے عدی سے کہا کہ میں ان کے پیغمبر نے میرے ساتھ وہ سلوک کیا کہ تیرا باپ بھی ہوتا تو ایسا نہ کرتا، اُس شخص نے میری عزت کی اور ہا کیا اور پھر سواری بھی دیا کی۔

عدی طائی
کا قبول اسلام

کچھ عرصہ بعد عدی بن حاتم طائی بھی حضور کی خدمت میں پہنچ گیا۔ اُس نے گلے میں صلیب لٹکا رکھی تھی۔ حضور نے دیکھا تو فرمایا اَلْقِ عَنْكَ هَذَا الْوَتْنَ اس بُت کو اتار پھینکو، یہ تو شرک کی نشانی ہے۔ عیسیٰ صلیب کا نشان اس لیے اپنے گلے میں پہنتے ہیں کہ اُن کے عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر چڑھا دیا گیا حالانکہ قرآن پاک کا فرمان ہے کہ نہ تو مسیح علیہ السلام کو قتل کیا گیا اور نہ اُن کو سولی پر چڑھایا گیا اور نہ ہی اُن کی موت واقع ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان پر زندہ اٹھالیا۔ صحیح احادیث میں یہ بھی موجود ہے کہ قرب قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ زمین پر نازل ہوں گے۔

بہر حال حضور علیہ السلام نے عدی سے فرمایا کہ تم کیوں بھاگتے ہو، اللہ کی وحدانیت سے گم نہ کرتے ہوئے، کیا خدا تعالیٰ کے سوا بھی کوئی معبود ہے؟ آپ نے فرمایا، کیا تم اللہ اکبر کے کلمہ سے بھاگتے ہو؟ تمہیں اللہ کو سب سے بڑا ماننے میں کیا اعتراض ہے؟ یہ سن کر عدی کچھ دیر کے لیے خاموش رہا اور پھر عرض کیا، حضور! میں تو حنیف ہو گیا ہوں یعنی میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس پر حضور علیہ السلام خوش ہو گئے۔

یہودی اور
عیسائی

اسی حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہودیوں کے متعلق فرمایا کہ یہ مغضوب علیہ ہیں۔ انہوں نے نافرمانی کی، خدا تعالیٰ کے قانون کو توڑا، اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دی۔ لہذا ان کے متعلق قرآن پاک میں موجود ہے۔ فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَىٰ غَضَبٍ (البقرہ) یعنی اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوا۔ یہ مغضوب علیہم ہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف یہودی ہی مغضوب علیہ ہیں بلکہ جتنے بھی کافر، مشرک، مجوسی، صابی، ستارہ پرست، ہندو، سکھ، جاپانی، ہنکرین خدا اور کیمونسٹ وغیرہ سب مغضوب علیہ لوگ ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی راہِ راست پر نہیں ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نصاریٰ کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ بھٹک گئے ہیں انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں اس حد تک غلو کیا کہ انہیں الوہیت کے درجے تک پہنچا دیا۔ چنانچہ عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ یعنی خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ انہوں نے ثالث ثلاثہ یعنی تین میں سے تیسرا اور باپ، بیٹا اور روح القدس جیسا باطل عقیدہ اختیار کیا۔ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی مدح سرائی کرتے کرتے ہی راہِ راست سے بھٹک کر گمراہ ہو گئے اسی مبالغہ آمیزی کے رد میں خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے لَا تُطْرُوْنِیْ كَمَا أَطْرَبَ النَّصَارَیْ عِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ لَوْ كُنَّا نَعْرِیْفُہٗ فَمَا كُنَّا بِطَرَحٍ نَصَارَیْ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے متعلق اختیار کیا۔ فَمَنْ مَّا اِلٰہٌ عِبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ فَقُوْلُوْا عِبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ میں تو اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا رسول ہوں، لہذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔

امام مجددؒ نے ایک نقطہ بیان فرمایا ہے کہ ہم تشہد میں پڑھتے ہیں اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہاں پر عبد کو پہلے اور رسول کو بعد میں اسلئے لایا گیا ہے کہ عبد کا تعلق اللہ کے ساتھ ہے اور رسول کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہے، لہذا اللہ کے ساتھ تعلق کی درستگی پہلے ہونی چاہیے۔ اللہ کے رسول کو پہلے بندہ سمجھو کہ وہ بھی اپنے خالق و مالک کی بندگی کرنے والا ہے، وہ خود الہ نہیں ہے۔ اسی لیے عبدیت کا

اپنا ہی بڑا ہوتا ہے۔ پھر فرمایا اگر شیطان غضب کے راستے سے داخل ہوتا ہے تو انسان کو غصہ دلاتا ہے جس کی وجہ سے وہ دوسروں پر ظلم کرتا ہے۔ کسی کے ساتھ زیادتی کی، مارکٹائی گالی گلوچ اور حق ٹھنی کی یا کسی کا مال و جان تلف کیا۔ یہ سب دوسروں پر ظلم ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر شیطان خواہش کے راستے سے داخلیت کرتا ہے تو انسان خواہش اور ہوا کا بندہ بن کر رہ جاتا ہے جیسے فرمایا **أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ (الفرقان)** کیا آپ نے اُس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو ہی معبود بنالیا، ایسا آدمی اللہ کی طرف غلط باتیں منسوب کرتا ہے اور شرک میں مبتلا ہوتا ہے، اس طرح وہ گویا خدا تعالیٰ پر زیادتی کا مرتکب ہوتا ہے۔

بہر حال میں نے مغضوب علیہ اور ضال کے بارے میں عرض کر دیا کہ مغضوب علیہ وہ ہوتے ہیں جن کی قوتِ عملیہ خراب ہو، فائق بھی اسی گروہ میں شامل ہیں اور ضال وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی فکر فاسد ہو جائے عقیدہ بگڑ جائے جو کہ علمی خرابی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ ابلیس جس نے انسانوں کو گمراہ کرنے کی قسم اٹھا رکھی ہے، اُسے تین مواقع پر سخت تکلیف پہنچی اور اُس نے بڑا واویلا کیا۔ پہلا موقع تو وہ تھا جب اللہ نے فرمایا **فَاخْرِجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَاجِعٌ (الحجر)** یہاں سے نکل جاؤ، تم ملعون و مردود ہو۔ جب شیطان نے تاجر کی بنا پر آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُسے مردود قرار دیکر اپنی بارگاہ سے نکال دیا اس کے بعد جب حضور علیہ السلام کی دنیا میں بعثت ہوئی، تو اس وقت بھی شیطان نے بڑا واویلا کیا تھا کہ اب اس کے راستے میں رکاوٹیں پیدا ہو جائیں گی۔ پھر تیسری دفعہ شیطان نے اس وقت واویلا کیا، جب یہ سورۃ فاتحہ نازل ہوئی۔

جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے، سورۃ فاتحہ بڑی فضیلت والی سورۃ ہے۔ یہ چوکڑ قرآن پاک کا خلاصہ اور سچوڑ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ درجے کے اعتبار سے یہ قرآن پاک کی سب سے بڑی سورۃ ہے۔ جو اس پر ایمان لائے گا، اُس کی تلاوت کرے گا۔ اُس کے سامنے شیطان مغلوب ہو گا۔ امام حسن بصریؒ کا مقولہ ہے کہ جس شخص نے سورۃ فاتحہ کو پڑھ لیا اُس نے گویا، تورات، زبور، انجیل اور قرآن پاک چاروں کتابوں کو پڑھ لیا۔

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ⑤

ترجمہ :- نہ وہ لوگ جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہ ⑤

سورة فاتحہ کے الفاظ اور ان کی تشریح عرض کی جا چکی ہے۔ اب اسی سورہ سے تین اہم مسائل تعلق رکھنے والے تین مزید مسائل ایسے ہیں، جن کا تذکرہ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک مسئلہ بعض فروعی اختلافات کا ہے۔ دوسرا مسئلہ آخری آیت میں آنے والے حرف "ض" کے مخرج کا ہے اور تیسرا اُس اعتراض کے متعلق ہے جو بعض غیر مسلم اس سورہ مبارکہ کے کلام الہی ہونے پر کرتے ہیں۔

سورة فاتحہ کے اختتام پر آمین کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہے، اے پروردگار ۱۔ فروعی اختلافات ۱۔ آمین

اِسْتَجِبْ یعنی اِس دُعا کو قبول فرما۔ چونکہ یہ لفظ قرآن پاک کا لفظ نہیں ہے، اس لیے لکھنے میں تو نہیں آتا، تاہم اس کا پڑھنا مستحب ہے اور اس کی بڑی فضیلت آئی ہے صحیح احادیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کے تو تم آمین کہو۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ جب امام آمین کہتا ہے تو تم بھی آمین کہو۔ تیسری روایت میں اس طرح ہے کہ اس موقع پر اللہ کے فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ موافق ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اُس کے سابقہ گناہ معاف کر دے گا۔ فرشتوں کے ساتھ موافقت وقت کے لحاظ سے بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی جس وقت فرشتے آمین کہیں اُسی وقت دوسرے نمازی بھی کہیں تو وہ اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔ اور اس سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے

کہ جس خلوص کے ساتھ فرشتے آمین کہتے ہیں۔ اُسی خلوص اور نیت کے ساتھ نماز بھی آمین کہیں گے تو ان کے سائے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

البتہ اس بات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آمین بلند آواز سے کہنی چاہیے یا پست آواز سے۔ بعض ائمہ کرام اونچی آواز سے آمین کہنے کے حق میں ہیں جب کہ امام ابو حنیفہؒ آہستہ آواز کے قائل ہیں۔ روایات دونوں قسم کی آئی ہیں اور یہ صرف ترجیح کا مسئلہ ہے کہ کس امام نے کس طریقہ کو ترجیح دی ہے۔ اس کو خواہ مخواہ جائز اور ناجائز کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے۔ کیونکہ یہ فروعی مسئلہ ہے۔ مندا احمدؒ میں حضرت وائلؒ کی روایت میں صاف طور پر آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے آمین کہا لیکن اخفی بہا صَوْتُهُ مگر آہستہ آواز سے اسی طرح جہر سے کہنے کی بھی صحیح احادیث موجود ہیں مگر امام ابو حنیفہؒ کے استاد امام ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ میں آہستہ آواز والی روایت کو ترجیح دیتا ہوں کیونکہ اکثر صحابہؓ اور تابعینؒ اسی کے قائل ہیں۔ بعض اوقات کسی چیز کو تعلیم کی غرض سے بلند آواز سے کہنا بھی روا ہے۔ مثلاً حضرت عمرؓ بعض اوقات نماز میں سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ سَہْرَ بھی بلند آواز سے پڑھتے تھے، ورنہ عام طور پر یہ آہستہ پڑھی جاتی ہے۔ اس طرح سورۃ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ بھی پست آواز سے، رَبَّنَا اَلْحَمْدُ بھی اور آمین بھی آہستہ آواز سے کہنی چاہیے حدیث میں یہ بھی ملتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے بعض اوقات ظہر کی نماز میں بھی بلند آواز سے قرأت کرتے تھے۔ حالانکہ اس نماز میں جہر نہیں ہے، بہر حال ایسا تعلیم کی غرض سے تو ہو سکتا ہے مگر عام دستور آہستہ ہی ہے۔ اور بعض نے آمین بلند آواز سے کہنے کو ترجیح دی ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی کتاب ”غنیۃ الطالبین“ میں لکھا ہے کہ نماز کے کچھ فرائض ہیں، کچھ واجبات، کچھ سنن اور کچھ ہیئات فرماتے ہیں کہ اختلاف صرف ہیئات میں پایا جاتا ہے۔ کوئی امام ایک ہیئت اختیار کرتا ہے تو دوسرا امام دوسری۔ تاہم جو بھی ہیئت اختیار کی جائے اُس پر عمل کرتے رہنا چاہیئے اور ایک دوسرے کو بڑا بھلا نہیں کہنا چاہیئے کہ فلاں سنت کے خلاف کر رہا ہے یا فلاں کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ سارے طریقوں کو جائز سمجھتے ہوئے ایک دوسرے کو برداشت کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی شافعی یا حنبلی ہے تو بیشک بلند آواز سے کہے اور اگر کوئی حنفی ہے تو آہستہ آواز سے کہے، اس میں جھگڑنا نہیں چاہیئے۔

۲۔ رفع یدین رکوع جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنا بھی فردعی مسئلہ ہے اور ترجیح سے تعلق رکھتا ہے۔ جب کوئی شخص نماز میں داخل ہوتا ہے تو دو فرائض اور ایک سنت ادا کرتا ہے۔ پہلا فرض نیت ہے۔ نماز شروع کرنے سے پہلے نیت ضروری ہے کہ فلاں وقت کی نماز ادا کرنا چاہتا ہوں۔ کوئی عبادت دل کے ارادے اور نیت کے بغیر ادا نہیں ہوتی کیونکہ **اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ** اعمال کا دار و مدار نیت پر ہوتا ہے۔ پھر دوسرا فرض **اللہ اکبر** کہنا ہے۔ جب تک یہ الفاظ ادا نہیں کرے گا، نماز میں داخل نہیں ہوگا۔ تیسری چیز جو سنت ہے، وہ رفع یدین یعنی دونوں ہاتھوں کا اٹھانا ہے۔ نماز کی ابتداء میں تجوید تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا تو سب کے نزدیک سنت ہے، اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ البتہ رکوع جاتے وقت، رکوع سے کھڑے ہوتے وقت اور درمیانی تشدد کے بعد اٹھتے وقت رفع یدین کرنا بھی روایات میں آتا ہے مگر یہ متفق علیہ نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ ان مواقع پر رفع یدین نہ کرنے کے حق میں ہیں، وہ اسی کو بہتر سمجھتے ہیں۔

البتہ بعض دیگر ائمہ ان مواقع پر بھی رفع یدین کرنے کے قائل ہیں۔ مسئلہ یہ بھی ترجیح کا ہے۔ کسی امام نے رفع یدین کرنے کو ترجیح دی ہے اور دوسرے نے نہ کرنے کو۔ جو رفع یدین کرتا ہے اس کا بڑا نہیں منانا چاہیئے اور جو نہیں کرتا اُسے کرنے پر مجبور نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ کوئی فرض تو نہیں ہے۔ اگر کوئی فرض قرار دیتا ہے تو یہ غلط بات ہے۔

۳۔ ہاتھ باندھنا
اللہ اکبر کہہ ہاتھ کہاں باندھتے ہیں، اس میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کوئی ناف کے نیچے باندھتے ہیں، کوئی ناف کے اوپر اور کوئی سینے پر۔ یہ بھی ترجیح کا مسئلہ ہے، روایا ہر قسم کی موجود ہیں کوئی امام ایک پہلو کو ترجیح دیتے ہیں اور کوئی دوسرے کو اور کوئی تیسرے کو۔ امام ابو حنیفہؒ تحت السرہ یعنی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ حضرت علیؑ کی روایت میں آتا ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ کے اوپر اور ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔ امام شافعیؒ ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے ہیں۔ یہ سب باتیں روا ہیں صرف ترجیح کا مسئلہ ہے بہر حال جو کوئی جس امام کا فتویٰ مانتا ہے اُسے اُس کے مطابق عمل کرنا چاہیئے اور دوسرے کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہیئے۔

۴۔ نم فاتحہ
خلف الامام
فاتحہ خلف امام بھی اختلافی مسئلہ ہے۔ بعض امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں اور بعض نہیں پڑھتے۔ امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق امام کے پیچھے پڑھنے والا گنہگار ہوگا قرأت کرنا امام کا فرض ہے اور مقتدی کا فرض ہے کہ وہ خاموش ہے اور ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی فاتحہ خلف امام کو ضروری قرار نہیں دیتا۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کہتے ہیں کہ سری نمازوں میں اگر مقتدی بھی سورۃ فاتحہ پڑھ لے تو بہتر ہے، یعنی سری نمازوں میں ان کے نزدیک مستحب کا درجہ رکھتا ہے، کوئی فرض واجب تو نہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی

عرض کیا کہ دو امام یعنی امام بخاریؒ اور امام بیہقیؒ فاتحہ خلف امام کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے تشدد کیا ہے کہ جو امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھے گا۔ اس کی نماز ہی نہیں ہوگی یہ درست نہیں ہے کیونکہ نہ پڑھنے کے متعلق بہت سے دلائل ہیں اور قرآن کی آیات بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے نزدیک فاتحہ خلف امام ضروری ہے، نہ یہ کہ نہ پڑھنے والے پر عدم نماز کا فتویٰ لگا دیں۔ فاتحہ کا پڑھنا امام بخاریؒ کا مسلک ہے اور اس کے متعلق امام ترمذیؒ نے صاف کہا ہے کہ بعض حضرات تشدد کرتے ہیں۔ عبد اللہ ابن مبارکؒ نے بھی کہا ہے کہ جو امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز ہوتی ہے، اس میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔

اب تشدد کے بھی مختلف الفاظ آتے ہیں۔ کل چھ یا سات روایات ہیں اور ان ۵ تشدد میں مختلف الفاظ ہیں۔ ہم جو عام طور پر پڑھتے ہیں اَلْحَيَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوٰتُ وَالطَّیِّبٰتُ یہ عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتے ہیں۔ حضرت جابرؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایات میں مختلف الفاظ آتے ہیں۔ بعض روایات میں اَلْحَيَّاتُ الْمُبْرُکٰتُ وَالطَّیِّبٰتُ وغیرہ کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ جن الفاظ سے بھی کوئی تشدد پڑھ لے گا۔ درست ہوگا۔ ایسے معاملات میں کسی کے ساتھ تعرض نہیں کرنا چاہیے۔

اذان میں ترجیع کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے کوئی شہادت کے کلمات میں ترجیع کو ۶۔ اذان اختیار کرتے ہیں اور بعض دوسرے نہیں کرتے۔ امام ابو حنیفہؒ عدم ترجیع کے قائل ہیں۔ اسی طرح اقامت بھی کوئی پوری پڑھتا ہے اور کوئی مختصر کسی نے ایک پہلو کو راجح قرار دیا ہے اور کسی نے دوسرے پہلو کو۔ لہذا اس مسئلہ میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ الجھنا نہیں چاہیے

بے ترمذی ص ۷۱

کیونکہ یہ بھی صرف ترجیح کا مسئلہ ہے کہ کس طریقہ پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے۔

ج۔ ج

اسی طرح حج کا مسئلہ ہے۔ کوئی مفرد کو ترجیح دیتا ہے، کوئی تمتع اور کوئی قرآن کو۔ جس نے جو بھی طریقہ اختیار کیا، ٹھیک کیا، کسی کا بڑا نہیں منانا چاہیے۔ اختلاف صرف ترجیح میں ہے کہ کون سا طریقہ افضل ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حج قرآن افضل ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے قرآن کیا تھا۔ امام شافعیؒ حج تمتع کے حق میں ہیں اور بعض ائمہ حج مفرد کو زیادہ افضل سمجھتے ہیں۔ اس مسئلے میں بھی خواہ مخواہ ایک دوسرے سے جھگڑانا نہیں کرنا چاہیے۔ فروعات دین میں اس قسم کے اختلافات کی بڑی گنجائش ہے۔

۸۔ بنی قریظہ کا واقعہ

ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہؓ کو فوراً روانگی کا حکم دیا اور فرمایا تم میں سے کوئی شخص عصر کی نماز بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے ادا نہ کرے۔ لوگ روانہ ہو گئے۔ چار میل کا فاصلہ تھا۔ راستے میں بعض صحابہؓ نے خیال کیا کہ وقت تنگ ہے، ہو سکتا ہے بنی قریظہ پہنچنے تک نماز ہی فوت ہو جائے، چنانچہ انہوں نے راستے میں ہی نماز ادا کر لی۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ حضور علیہ السلام کے حکم کا مقصد فوراً کوچ تھا اور اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اگر نماز کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو راستے میں بالکل ادا نہ کرو۔ بعض دوسرے صحابہؓ نے حضور علیہ السلام کے ظاہری الفاظ پر عمل کیا اور بنی قریظہ میں ہی جا کر نماز ادا کی۔ جب یہ معاملہ آپ علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو آپ نے دونوں گروہوں کی تصدیق کی کہ دونوں نے ٹھیک کیا، کسی نے غلطی نہیں کی۔

مطلب یہ ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں اختلاف کرنا جائز ہے۔ کوئی امام ایک طرف کو ترجیح دیتا ہے تو وہ بھی ٹھیک ہے اُسے بھی ثواب ملے گا۔ اور اگر کوئی دوسرا پہلو اختیار کرتا ہے تو وہ بھی درست ہے۔ یہ فروعات دین ہیں، ان میں اختلاف

جائز ہے اصول میں اختلاف نہیں ہے۔ محض ہیئات کا اختلاف ہے جسے بعض حضرات
بڑا طول دیتے ہیں اور مناظرہ بازی کرتے ہیں جو کہ درست نہیں ہے۔ یہ ایک مسئلہ تھا جو میں
نے عرض کر دیا۔

۲۔ حرف ض
کا مخرج

دوسرا ہم مسئلہ حرف ض کے مخرج کا ہے۔ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ
وَلَا الضَّالِّينَ میں دو دفعہ حرف ض آتا ہے۔ امام ابن کثیرؒ اور صاحب روح المعانی نے
نے لکھا ہے کہ ض کا تلفظ بڑا مشکل ہے۔ قاری حضرات بڑی مشق کے بعد اس کا صحیح تلفظ
ادا کرتے ہیں۔ ض کا مخرج زبان کا کنارہ بالائی داہڑوں کی جڑ میں لگنے سے ادا ہوتا ہے اگر
یہ مخرج صحیح طور پر ادا نہ ہو سکے تو پھر اس کی مشابہت ظ کے ساتھ آتی ہے۔ د کے ساتھ نہیں
ملتی زبان میں تو ڈ پڑھتے ہیں، لہذا د کے ساتھ مشابہت درست نہیں۔ بہر حال چونکہ یہ مشکل
حرف ہے، اس کو ٹھیک طریقے سے ادا کرنے کی کوشش کرو۔ اگر نہ ہو سکے تو جس طرح
بھی کوئی پڑھ لے گا، درست ہے۔ اس میں کسی قسم کا جھگڑا نہیں ہونا چاہیے۔ صوبہ سرحد
میں گزشتہ صدی کے دوران پچاس سال تک اسی مسئلہ پر جھگڑا چلتا رہا اور قتل و غارتگری بھی ہوئی
جو کہ ہرگز درست نہیں۔ برداشت کرنا چاہیے۔

۳۔ کلام الہی
ہونے پر
اعتراض

تیسرا مسئلہ سورۃ فاتحہ کے کلام الہی ہونے کے متعلق ہے۔ فرقہ آریہ سماج کے پیشوا
دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب ستیا رتھ پرکاش میں اور بعض عیسائیوں نے بھی یہ اعتراض اٹھایا
تھا کہ یہ کیسی سورۃ ہے کہ اس کو اللہ کا کلام تسلیم کیا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
خود اپنی تعریف بیان کر رہا ہے۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ
کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ شاہ عبد القادر محدث دہلوی نے اپنے حاشیہ
قرآن میں اس اعتراض کا نہایت مختصر اور مدلل حل بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

نے یہ سورۃ بندوں کی زبان پر نازل فرمائی ہے کہ وہ اپنے اللہ کے حضور اس طرح کہا کریں۔
 یعنی اے میرے بندو! جب تم میرے سامنے مناجات کرنا چاہو تو ان الفاظ کے ساتھ کیا کرو۔
 قرآن پاک میں اس قسم کا طرز کلام بعض دوسرے مقامات پر بھی ملتا ہے مثلاً سورۃ مریم
 میں آتا ہے وَمَا نَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ہم نہیں اترتے مگر تیرے رب کے
 حکم سے۔ اس آیت کریمہ کا سیاق و سباق کچھ اور ہے مگر یہ درمیان میں اس بات کا ذکر ہے
 کہ جس کا پتہ نہیں چلتا کہ کس کے اترنے کی بات ہو رہی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
 نے یہ آیت فرشتوں کی زبان میں نازل فرمائی ہے اس کا شان نزول یہ ہے کہ ایک
 موقع پر حضور علیہ السلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ ہماری خواہش ہوتی ہے
 کہ آپ ہمارے پاس جلدی جلدی آیا کریں، ہمیں آپ کا انتظار رہتا ہے۔ اس کے جواب
 میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت فرشتوں کی زبان پر نازل فرمائی، گویا فرشتے یوں کہتے ہیں۔
 کہ ہم اپنی مرضی سے نہیں اترتے بلکہ اے پیغمبر علیہ السلام! ہم آپ کے رب کے حکم
 سے نازل ہوتے ہیں، ہم اپنی مرضی سے نہیں آسکتے۔ مطلب واضح ہو گیا اور کوئی
 اشکال باقی نہ رہا۔

سورۃ فاتحہ کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ بندوں کی زبان پر
 نازل فرمائی ہے کہ اے میرے بندو! تم اس طرح کہو کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے
 کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ غیر مسلم اور ملحد قسم کے لوگ ایسے غلط اعتراض
 کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھ اور ہدایت عطا فرمائے۔ وَاللَّهُ الْمَوْفِقُ وَالْمُعِينُ
 وَآخِرُ عَوَانَا إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ
 مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَاتَّبَاعِهِ أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي هدانا لهذا

الذي كنا في ضلال مبين

الحمد لله الذي هدانا لهذا

الذي كنا في ضلال مبين

الحمد لله الذي هدانا لهذا

الذي كنا في ضلال مبين

الحمد لله الذي هدانا لهذا

الذي كنا في ضلال مبين

الحمد لله الذي هدانا لهذا

الذي كنا في ضلال مبين

بسم الله الرحمن الرحيم

معالم العرفان - دوسرا القرآن

افادات

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب

ریکارڈنگ

بلال احمد ناگی صاحب

مرتب

الحاج لعل دین صاحب (ایم۔ اے علوم اسلامیہ)

زیر انتظام

انجمن مجبان اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب عاجز

جنرل سیکرٹری

بابو غلام حیدر صاحب

خزانچی

محمود انور بٹ ایڈووکیٹ

ناظم مکتبہ (عبداللہ)

محمد منیر صاحب Ph: 4221943

مکتبہ دوسرا القرآن، گوجرانوالہ